انبیاء کرام چونکہ معصوم ہوتے ہیں' اس لئے ان کی خطا اجتہادی ہوتی ہے

اللہ کے حکم کی تعمیل و تنفیذ کے لئے سوچ و بچار' غور و فکر' تدبر و تجویز نبی کو خود کرنا ہوتی تھی

نتائج کے معاملہ میں توکل خالصتاً اللہ ہی پر ہونا چاہئے لیکن مادی وسائل و اسباب کا بھرپور استعمال بھی ضروری ہے

انبیاء کرام سے اپنے خطاب میں اللہ جب کوئی سخت الفاظ استعمال کرتا ہے تو اصلاً اس کا رُخ کفار کی جانب ہوتا ہے

اقامت دین کی جدوجہد میں قدم قدم پر اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے

مسجد دارالسلام باغِ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے یکم اکتوبر ۹۹ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

(مرتب : فرقان دانش خان)

سورۂ کہف کی آیت ۲۷'۲۸ اور سورۂ عبس کی ابتدائی سولہ آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا :

سورۂ کہف کی ان آیات کے بارے میں گزشتہ دو اجتماعاتِ جمعہ میں گفتگو ہو چکی ہے۔ لیکن ان آیات میں شامل کچھ موضوعات سے میں نے جان بوجھ کر غض بصر کیا تھا' کیونکہ وہ موضوعات بہت نازک تھے۔ اگر ضمنی طور پر ان مسائل پر گفتگو ہوتی تو مغالطوں اور غلط فہمیوں کا امکان تھا۔ آج بھی اللہ سے یہ دعا کرتے ہوئے اس مسئلہ پر گفتگو کر رہا ہوں کہ وہ مجھے صحیح بات کہنے کی توفیق دے اور ادب کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ آمین یارب العالمین

پہلے ان آیات کا ترجمہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے : ﴿ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ﴾ "اے نبی' پڑھتے رہئے اور پڑھ کر سناتے رہئے اس کتاب میں سے جو آپؐ کی جانب وحی کی گئی" ﴿ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ﴾ "اللہ کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں"۔ ﴿ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴾ "اور اے نبی آپ ہرگز نہ پائیں گے اللہ کے سوا کوئی پناہ گاہ" یہ بڑا نازک مقام ہے' کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سوا کسی پناہ گاہ کی تلاش میں تھے؟ معاذ اللہ' لیکن لفظی ترجمہ تو یہی ہے۔

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ﴾ "اور اپنے آپ کو روکے رکھیے' (تھامے رکھئے' جمائے رکھیے) ان لوگوں کے ساتھ جو بندگی کرتے اور پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام" ﴿ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ "(اور) اسی کی رضا کے طالب ہیں" ﴿ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ "اور دیکھئے آپؐ کی نگاہیں ان سے ہٹ کر دنیا کی زندگی کی زیبائشوں اور آرائشوں کی طرف نہ اٹھنے پائیں"۔ ﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ﴾ "اور مت کہنا مانیے اس شخص کا جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا"۔ یہاں اللہ نے اگرچہ نافرمانوں اور سرکشوں کو غفلت میں مبتلا کرنے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے' مگر غور طلب بات ہے کہ اللہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ قاعدہ یہ ہے کہ جو خود غفلت کی راہ اختیار کرتا ہے اللہ اسے غافل کرتا ہے ورنہ کسی کو اللہ خود غفلت میں مبتلا نہیں کرتا۔ ﴿ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ "اور جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کر رہا ہے اور جس کا طرز عمل بہت ہی حد سے متجاوز ہو گیا ہے"۔

اگلی آیت میں بہت ہی شان بے نیازی کا اظہار ہے :

﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ "اور کہہ دیجئے یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے (جو میں پیش کر رہا ہوں) پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے" ـــــ ان آیات کے بین السطور دیکھئے تو کیا نظر آتا ہے؟ یہ کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی رویے پر فہمائش اور counselling کی جا رہی ہے۔ اس سے آگے اُردو میں "گرفت" کا لفظ بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ تاہم یہ مقام بہت نازک ہے۔ اس لئے یہاں زبان لڑکھڑاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا تقاضا ہے کہ ادب ملحوظ رہے۔

وہ طرز عمل یا رویہ کیا تھا جس پر یہ Counselling ہو رہی ہے۔ دعوت و اقامت دین کی جدوجہد میں فقراء و مساکین کی طرف آپؐ کے التفات میں کسی قدر کمی یا بے توجہی وہ طرز عمل تھا جس پر یہاں فہمائش کا انداز اختیار کیا گیا۔ دراصل دین کے قیام کی خاطر معاشرے کے بااثر لوگوں کی طرف آپؐ کی توجہ کچھ زیادہ ہو گئی۔ سورۂ عبس کی ابتدائی آیات میں بھی یہی فہمائش کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ وہاں یہ مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ آتا ہے۔ ﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ ﴾ "انہوں نے تیوری چڑھالی اور منہ موڑ لیا کہ ان کے پاس آیا ہے ایک نابینا"۔

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ سرداران قریش موجود تھے۔ آپؐ ان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ انہیں دعوتِ اسلام دے رہے تھے۔ اسی وقت ایک نابینا صحابی عبداللہ ابن ام مکتومؓ تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری کا احساس ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی۔ یہاں "گرفت" کا لفظ اس لئے استعمال کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری کی ایک حدیث میں خود اس واقعہ کے حوالے سے اپنے بارے میں "عتاب" کا لفظ استعمال فرمایا۔

آگے فرمایا : ﴿ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ ﴾ "اور اے نبیؐ' آپ کو کیا معلوم' شاید کہ وہ تزکیہ حاصل کرتا"۔ شاید اس کے لئے آپؐ کی توجہ تزکیہ نفس کا باعث بن جاتی : ﴿ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ ﴾ "یا وہ آپؐ کی گفتگو سے نصیحت حاصل کرتا اور وہ نصیحت اس کے لئے فائدہ مند ہوتی"۔ ﴿ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ ﴾ دیکھئے آپؐ کا معاملہ یہ ہے کہ "جو شخص لاپروائی کا مظاہرہ کر رہا ہے"۔ ﴿ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ ﴾ "آپؐ اس کے درپے ہیں۔" اسے سمجھانے کے لئے آپؐ کا التفات اس کی طرف زیادہ ہے : ﴿ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ ﴾ "اور (جبکہ) آپ پر اس کی کوئی ذمہ

داری نہیں کہ وہ تزکیہ حاصل کرتے ہیں (یا نہیں)"۔ آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ ﴿وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝﴾ "اور اس کے برعکس جو شخص آپ کے پاس چل کر آیا ہے۔" ﴿وَهُوَ يَخْشٰى ۝﴾ "اور اس کے دل میں ہماری خشیت ہے"۔ ﴿فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى﴾ "تو آپ اس کی جانب سے تغافل برتتے ہیں" ﴿كَلَّآ﴾ "ہرگز نہیں" ایسا نہ کیجئے' آپ کا یہ طرز عمل مناسب نہیں۔ ﴿اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ﴾ "یہ قرآن تو بس یاددہانی ہے"۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝﴾ "پس جو چاہے اس سے نصیحت اخذ کرلے"۔ گویا وہی شان بے نیازی جس کا اظہار جو سورۃ الکہف میں ان الفاظ میں ہوا تھا کہ ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ اسی کا یہاں بھی اظہار فرمایا گیا۔ اور پھر سورۂ کہف میں جو فرمایا گیا تھا: ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ﴾ "تلاوت کرتے رہیے' پڑھ کر سناتے رہیے جو کچھ وحی کیا گیا ہے آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے"۔ یہاں سورۂ عبس اس کتاب کی عظمت کا اگلی چار آیات میں ذکر ہے: ﴿فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ﴾ یہ قرآن کوئی ایسی حقیر شے نہیں کہ اسے خوشامدانہ انداز میں کسی کے پیچھے پیچھے لے کر پھرا جائے۔ "یہ تو بڑے باعزت صحیفوں میں ہے۔ وہ صحیفے بہت بلند و بالا اور پاک ہیں (اور) وہ ایسے لکھنے والوں (فرشتوں) کے ہاتھوں میں ہیں۔ جو بہت باعزت ہیں"۔ اس سے پہلے کہ ہم آگے چلیں' قرآن حکیم کے ان مذکورہ بالا مقامات کے حوالے سے یہاں میں چاہتا ہوں کہ دو باتیں بنیادی طور پر سمجھ لی جائیں تاکہ کہیں حد اعتدال سے تجاوز نہ ہو جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انبیاء کرام سے خطاب میں جہاں اللہ تعالیٰ کوئی سخت الفاظ استعمال کرتا ہے تو لفظاً رخ اگرچہ نبی ہی کی طرف ہوتا ہے لیکن اس سختی کا اصل رخ ان کفار کی جانب ہوتا ہے جن کی وجہ سے نبی نے حد اعتدال سے تجاوز کیا۔

دوسری بات یہ سمجھ لیجئے کہ انبیاء کرام سے جو خطا ہوتی ہے وہ اجتہادی ہوتی ہے۔ نیز وہ خطا' ہرگز معصیت کی جانب نہیں ہوتی۔ کیونکہ معصیت' کا سرچشمہ نفس انسانی ہوتا ہے۔ جبکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اس لئے انبیاء کی خطا جانب شر اور جانب نفس میں نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جانب خیر ہی میں حد اعتدال سے تجاوز ہو سکتا ہے۔ جبکہ خطا کہتے ہی اسے ہیں کہ آپ نے امکانی حد تک نشانہ تو ٹارگٹ پر لگایا تھا لیکن کہیں اور جا لگا۔ اس میں آپ کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ گویا خطا غیر ارادی فعل ہے۔ جب "اجتہادی خطا" کا لفظ استعمال کریں گے تو اس کا مطلب ہوگا کہ کسی معاملے میں اگر اللہ کا صریح حکم موجود نہیں ہے تو ظاہر بات ہے کہ نبی کو اجتہاد کرنا پڑے گا۔ ہمارے لئے یہ ہے کہ اگر قرآن' نبی کی سنت اور صحابہ کے تعامل میں کوئی رہنمائی موجود نہیں تو اجتہاد کریں گے۔ اجتہاد کا مادہ جہد ہے۔ لفظ جہاد بھی جہد سے نکلا ہے۔ اجتہاد کے معنی ہوں گے اپنے اوپر مشقت جھیلنا۔ جبکہ جہاد ہے کسی کے خلاف کوشش' محنت اور مشقت کرنا۔ گویا اس اعتبار سے اجتہاد کے معنی ہوئے کہ اپنی امکانی حد تک کوشش کی جائے کہ رُوح دین کے خلاف میرا فیصلہ نہ ہو۔ اس میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اجتہاد کے بارے میں اصول ہے کہ غلطی پر بھی ثواب ملتا ہے۔ اور اگر مجتہد صحیح رائے پر پہنچ گیا تو اسے دوہرا اجر ملے گا۔ اسی سے سمجھئے کہ نبی کی خطا اجتہادی ہوتی ہے۔

قرآن کے ان دونوں مقامات کا مخصوص پس منظر جاننا بھی ازبس ضروری ہے تاکہ اجتہادی خطا کے اسباب واضح ہو جائیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو جو مشن سونپا جاتا تھا اس کے لئے سوچ و بچار' غور و فکر' تدبیر و تجویز انہیں خود کرنا ہوتی تھی۔ عام طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ انبیائے کرام جو کام بھی کرتے تھے اللہ کے حکم سے کرتے تھے۔ اور ہمارا خیال یہ ہوتا ہے کہ شاید اسی میں رسول کی عظمت ہے۔ دراصل غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ایسا ہے تو پھر نبی کی حیثیت تو ایک کٹھ پتلی کی ہو گئی۔ اور یہ نبی کی شخصیت کی نفی کے مترادف ہے۔ کیا نبی کی سوچ و بچار' نبی کی تدبیر' نبی کی منصوبہ بندی کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ بسا اوقات اللہ کی طرف سے نبی کو صرف حکم ملتا ہے۔ اس حکم پر عمل کیسے ہوگا' اس کے لئے سارا سوچ و بچار نبی خود کرتے تھے۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں وہ جو اقدام فرماتے تھے' اس کے ضمن میں اگرچہ یہ امکان باقی رہتا ہے کہ شاید وہ وحی خفی کے تحت ہوتا ہو۔ اور کسی معاملے میں وحی خفی کے ذریعے اللہ نے رہنمائی فرمائی ہو لیکن یہ سمجھنا کہ نبی کی تدبیر اور حسن تدبر کا کوئی مقام ہی نہیں' نبی کے غور و فکر کا کسی معاملے میں کوئی دخل ہی نہیں ہے' ایک درجے میں توہین بن جاتی ہے۔ ہاں اگر نبی نے اپنے غور و فکر اور تدبیر سے کوئی قدم اٹھایا' اس میں کوئی اجتہادی غلطی ہو گئی تو وحی کے ذریعے اس کی اصلاح کر دی جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کوئی تنبیہہ نہیں آتی تو گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس فعل کو منظوری حاصل ہو گئی۔ بعض اوقات اللہ نے نبی کے ایسے درست اجتہادی فیصلے کو اپنی طرف منسوب بھی کیا ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ حضور ﷺ کو حکم آیا ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ "اب ڈنکے کی چوٹ پر کہئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے" اس حکم پر عمل کیسے ہو' یہ حضور ﷺ کا اجتہاد تھا۔ وہاں ایک رواج تھا کہ اگر کسی شخص کے پاس کوئی اہم خبر پہنچتی تھی' مثلاً یہ کہ فلاں قبیلہ ہم پر حملہ کرنے والا ہے' اس وقت پیغام رسانی کے ایسے ذرائع تو نہیں تھے جیسے آج ہیں' جبکہ قوم کو فوری بتانا بھی ضروری ہے ورنہ قوم بے خبری میں ماری جائے گی' چنانچہ پیغام پہنچانے والا یہ کرتا تھا کہ وہ مادر زاد برہنہ ہو کر کسی اونچی جگہ کھڑا ہو جاتا تھا' اور وہاں پکارتا تھا۔ "واصباحاہ" (ہائے وہ صبح جو آنے والی ہے' جو غارتگری لے کر آئے گی) اب جہاں تک آواز پہنچ رہی ہے ان تک تو ٹھیک ہے پیغام پہنچ جائے گا۔ جہاں آواز نہیں پہنچ رہی وہاں سے نگاہ پہنچ جائے گی کہ کوئی برہنہ آدمی کھڑا ہے تو پھر لوگ دوڑتے تھے کہ معلوم کریں کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کو جب یہ حکم ہوا کہ اعلانیہ دعوت دیجئے اور خبردار کیجئے تو آپ نے یہ اجتہاد کیا کہ اسی طریقہ کو ایک ترمیم کے ساتھ اختیار کیا اس کے کہ آپ بے لباس نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ) کیونکہ آپ شرم و حیا کا پیکر تھے۔ لہٰذا آپ نے رواج میں ترمیم فرمائی اور بے لباس ہوئے بغیر باقی وہی عمل کیا۔ کوہ صفا پر چڑھ کر آپ نے وہی نعرہ لگایا اور لوگوں کو جمع کرکے دعوت حق پہنچائی۔

اسی طرح سورۂ عنکبوت میں اشارتاً ہجرت کا حکم ہوا: ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ "اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو' میری زمین بڑی کشادہ ہے' (اگر مکے کی زمین تمہارے لئے تنگ پڑ گئی ہے اور تمہیں میری بندگی نہیں کرنے دی جا رہی تو پھر کہیں چلے جاؤ) پس بندگی صرف میری ہی کرو"۔ اس میں ہجرت کا حکم نہیں ہے صرف اشارہ ہے۔ اب یہ سارا معاملہ حضور ﷺ کی اجتہادی بصیرت سے آگے چلا کہ کہاں جائیں؟ آپ نے فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ بہت نیک ہے' مسلمان وہاں چلے جائیں۔

ایک بہت نمایاں مثال ہجرت مدینہ کے بعد قبلہ اختیار کرنے کی ہے۔ حضور ﷺ نے تحویل قبلہ کا حکم آنے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں ادا کیں حالانکہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا قرآن میں کوئی حکم نہ تھا۔ اگرچہ یہ امکان ہے کہ وحی خفی کے ذریعہ اس بارے میں رہنمائی ملی ہو لیکن یہ بھی امکان ہے کہ یہ آپ کا اجتہاد ہو۔ کیونکہ جب تک قرآن مجید میں نیا حکم نہیں آتا تھا' سابقہ شریعت برقرار رہتی تھی۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے خالص اپنے اجتہاد سے سابقہ قبلے کو برقرار رکھا ہو۔

ان چند مثالوں کی روشنی میں اصولی طور پر یہ بات سمجھ لیجئے کہ یہ خیال کرنا کہ حضور ﷺ جو کام بھی کرتے تھے بس وحی کی رہنمائی میں کرتے تھے۔ یہ آپ کی تعظیم نہیں بلکہ آپ کی شخصیت کی نفی ہے۔ (معاذ اللہ) اس طرح تو آپ ﷺ کی ذہانت و فطانت' آپ کی سمجھ' آپ کی دور اندیشی' آپ کی معاملہ فہمی' انسان شناسی' موقع شناسی' فراست اور منصوبہ بندی کی نفی ہو جائے گی (معاذ اللہ' ثم

معاذ اللہ)۔

اب اگلا قدم آرہا ہے۔ دیکھئے دنیا میں دو چیزیں عام طور پر مشہور ہیں۔ ایک ہے آئیڈیلزم (Idealism) اور دوسری ہے ریئلزم (Realism)۔

آئیڈیلزم تو یہ ہے کہ دنیا میں تمام انسان مساوی ہوں سب کو یکساں اہمیت دی جائے۔ ریئلزم یہ ہے کہ دنیا میں کچھ صاحب حیثیت لوگ ہوتے ہیں' لوگ ان کی باتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی طرف رہنمائی کے لئے دیکھتے ہیں۔ ان کو اہمیت دیے بغیر عملی زندگی میں آگے بڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ آئیڈیلزم اور ریئلزم کے ان دونوں تقاضوں کو ذہن میں رکھ کر دیکھئے کہ اگر حضور ﷺ کو صرف دعوت و تبلیغ کا حکم ہوتا تو خالص آئیڈیلزم کی بنیاد پر کام چل سکتا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں تو کام صرف پہنچا دینا ہے اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اسی لئے ایک بار حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "اے علی اگر تمہارے ذریعے سے کسی ایک انسان کو بھی ہدایت مل جاتی ہے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"۔ اگر صرف تبلیغ کا معاملہ ہو تو کسی امیر' اہل منصب یا صاحب حیثیت کو اہمیت دینے کی ضرورت نہیں لیکن حضور ﷺ کا مشن تو دین کو عملاً قائم و غالب کرنا تھا۔ دین کے قائم کرنے کے تقاضے بالکل مختلف ہیں۔ اس کام کے لئے تو معاشرے کے باحیثیت اور بااثر لوگوں کو اہمیت دینا پڑتی ہے کیونکہ وہ لوگوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ "اے اللہ' عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (یعنی ابو جہل) میں سے کسی ایک کو میری جھولی میں ضرور ڈال دے"۔ کیونکہ دونوں معاشرے میں خاص مقام رکھتے تھے۔ اس اعتبار سے آپؐ کا رؤساء و سرداران مکہ کی طرف خصوصی التفات کا فیصلہ اصلاً ہرگز غلط نہیں تھا۔ البتہ اس میں حد اعتدال سے تجاوز ہو جائے اور فقراء و مساکین میں احساس محرومی کی کیفیت پیدا ہونے لگے تو ان آیات میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ درست نہیں ہے۔ لیکن مقصد کے حصول کی دھن اور لگن کے تحت اس قسم کی بے اعتدالی کا ہو جانا طبع بشری کے عین مطابق ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ کی اس دھن' لگن اور فکرمندی کے پیش نظر فرمایا گیا کہ اے نبی اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو کیا آپؐ خود کو ہلاک کر لیں گے۔ یا فرمایا گیا کہ کیا آپؐ لوگوں کو مجبور کر دیں گے کہ وہ ایمان لے آئیں' وغیرہ۔ یعنی آپؐ کی خواہش اپنی جگہ' آپؐ کی لگن' دھن اور جذبات اپنی جگہ لیکن اللہ کے کچھ قواعد اور سنتیں ہیں۔ ان میں تبدیلی نہیں آسکتی : ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلاً﴾ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت جو چاہے گا وہی ہو گا' ورنہ آپؐ کی خواہش سے یہ سرداران قریش ایمان نہیں لائیں گے۔

اس ضمن میں دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی کو دنیوی وسائل و اسباب سے کام لینا لازم ہوتا ہے۔ دیکھئے اس میں بھی ایک آئیڈیلزم ہے کہ اللہ پر توکل کر کے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا جائے' لیکن اللہ پر توکل کا یہ تصور غلط ہے۔ جیسے ہم مانتے ہیں اللہ رازق ہے' لیکن محنت تو مجھے اور آپ کو کرنا پڑتی ہے۔ لہٰذا توکل علی اللہ کی درست صورت یہ ہے کہ نتائج کے معاملہ میں توکل خالصتاً اللہ ہی پر ہونا چاہئے لیکن اپنی حد تک پوری کوشش لازم ہے' مادی وسائل و اسباب کا بھرپور استعمال ضروری ہے۔ ان کے استعمال میں کوئی کوتاہی ہو گی تو آپ پکڑے جائیں گے۔ اس کی سب سے بڑی مثال جو سیرت سے ہمارے سامنے آتی ہے وہ سفر طائف سے واپسی کے حوالے سے ہے۔ اب آپؐ مکہ میں داخل نہ ہو سکتے تھے کیونکہ مکے میں آپؐ کو کسی کی امان حاصل نہ تھی جبکہ دارالندوہ میں آپؐ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس بات کا پورا امکان تھا

(باقی صفحہ ۹ پر)

حالات حاضرہ

امریکہ کا جھکاؤ فیصلہ کن طور پر بھارت کے حق میں ہو چکا ہے

کسی زمینی سپرپاور کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے اللہ کے در پر دستک دینا ہو گی

بلوچستان میں "امام" کے نام سے چھ مذہبی جماعتوں کا اتحاد ایک نیک شگون ہے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے اختتام پر حالات حاضرہ کے حوالے سے فرمایا کہ نیاز اے نائیک جیسی غیر ذمہ دار اور متنازعہ شخصیت کو دوبارہ ٹریک ٹو ڈپلومیسی کی غرض سے بھارت بھجوانے کے حکومتی طرز عمل پر میں اپنا احتجاج ریکارڈ کرانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ نیاز اے نائیک ہی کے سابقہ بیانات سے فوج اور حکومت اختلافات میں شدت پیدا ہوئی تھی۔ ویسے بھی نیاز اے نائیک نے صاف کہہ دیا ہے کہ ٹریک ٹو پالیسی سے کوئی مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف آزاد کشمیر کے بارے میں واجپائی کے حالیہ بیان سے نظر آتا ہے کہ کشمیر کے معاملے میں بھارت کے موقف میں کوئی لچک پیدا ہونے کی بجائے مزید شدت آگئی ہے۔ بھارت اور پاکستان کے وزراء خارجہ کی امریکہ کی میڈلین البرائٹ سے حالیہ ملاقات میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ امریکہ کا جھکاؤ فیصلہ کن طور پر بھارت کے حق میں ہو چکا ہے اور امریکہ کشمیر کے مسئلے کے حل میں قطعاً مخلص نہیں۔ لہٰذا ہمیں کسی زمینی سپرپاور کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بجائے اس کائنات کی سول سپریم پاور یعنی اللہ کے در پر اجتماعی توبہ کے ذریعے دستک دینا ہو گی۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ فی الحال نہ حکمران طبقہ اور نہ ہی عوام اس کے لئے تیار ہیں۔

اپوزیشن کے طرز عمل کا جائزہ لیا جائے تو گرینڈ ڈیموکریٹک الائنس پہلے تاجروں کی ہڑتال کے ذریعے اور اب کپاس کی قیمت کے مسئلے پر ہنگامہ آرائی پر تلا نظر آتا ہے۔ لہٰذا اپوزیشن کی تحریک کے نتیجے میں توڑ پھوڑ اور قومی املاک کو نقصان پہنچنے کے بعد الیکشن کرانے کے بجائے نواز شریف اگر خود ہی مڈٹرم الیکشن کا ڈول ڈال دیں تو یہ ان کے لئے بھی بہتر ہو گا اور ملک و قوم کے لئے بھی۔

ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے بلوچستان میں چھ مذہبی جماعتوں کا "امام" کے نام سے اتحاد قائم ہو جانا ملک و ملت کے لئے انتہائی نیک شگون ہے۔ اسی طرح مولانا سمیع الحق کا کہنا کہ جب تک دینی و مذہبی جماعتیں متحد نہیں ہوں گی ملک میں اسلامی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا' خوش آئند ہے۔ جبکہ جماعت اسلامی جو کچھ عرصہ سے اتحادوں کی سیاست سے تائب ہو چکی تھی اب ان کی طرف سے بھی یہ خوش کن خبر آئی ہے کہ وہ دینی اتحاد کے بارے میں غور و فکر کر رہے ہیں۔ یہ اچھی خبریں ہیں کیونکہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے دینی عناصر کا ایک دوسرے کے قریب آنا اور ان میں فکری ہم آہنگی و عملی تعاون پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگرچہ ہم نے بہت پہلے "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" کی صورت میں دینی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دی تھی لیکن اس وقت کسی بڑی دینی جماعت کا اس جانب التفات نہ ہونے کے باعث اس تجویز کو خاطر خواہ پذیرائی نہ حاصل ہو سکی۔ تاہم "دیر آید درست آید" کے مصداق اگر دینی جماعتیں ملک میں نفاذ اسلام کے لئے کوئی ورکنگ ریلیشن قائم کر لیتی ہیں تو اب بھی ملک کی گاڑی کو صحیح رخ پر ڈالا جا سکتا ہے۔

تنظیم اسلامی کے 25 برس مکمل ہونے پر سالانہ تربیتی و مشاورتی اجتماع برائے ملتزم رفقاء کے حوالے سے خود احتسابی کی دعوت پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی کا مکتوب بنام رُفقاءِ تنظیم اسلامی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محترم رفقائے تنظیم اسلامی —— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے علم میں ہے کہ اس سال ہم اپنا سالانہ اجتماع صرف ملتزم رفقاء کی چار روزہ مشاورتی تربیت گاہ کی صورت میں منعقد کر رہے ہیں۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ اس وقت تنظیم اسلامی کو قائم ہوئے پچیس برس ہو گئے ہیں۔ ادھر خود مجھے "مسنون عمر" پوری کئے بھی چھ سال سے زائد ہو گئے ہیں' اور اپنے جانشین کا تقرر کئے ہوئے بھی ڈیڑھ سال کا عرصہ بیت گیا ہے۔ اور اگرچہ مجھے بڑھاپے کے عمومی آثار پر مستزاد بعض عوارض بھی لاحق ہیں' اور بعض جسمانی معذوریاں بھی نقل و حرکت کی راہ میں حائل ہو چکی ہیں —— تاہم بحمد اللہ ہوش و حواس اور غور و فکر کی صلاحیتیں تاحال (کم از کم بزعم خویش) سلامت ہیں! —— گویا یہ بہت مناسب وقت ہے کہ ہم اپنی پچیس سالہ کارکردگی کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اپنی پالیسیوں اور معمولات پر نظر ثانی کریں۔ اور اگر محسوس کریں کہ کسی اعتبار سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اس کی اصلاح کے ضمن میں عملی اقدامات کا فیصلہ کریں —— اس ضمن میں' مَیں خود بھی ایک خاص پہلو سے اپنی سوچ میں ایک تبدیلی محسوس کر رہا ہوں' جسے میں' ان شاء اللہ' اجتماع کے آغاز میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دوں گا۔ اور پھر نہ صرف اس خاص معاملے میں بلکہ دوسرے پہلوؤں اور زاویوں سے بھی جو امور سامنے آئیں گے ان پر کھلے دل و دماغ کے ساتھ غور کروں گا۔

کسی انقلابی تحریک کے کامیابی سے ہمکنار ہونے کے بعد اس قسم کی "نظرِ ثانی" کی نمایاں مثال ماؤزے تنگ کا مشہور و معروف "ثقافتی انقلاب" ہے —— اور کسی تحریک کی عملی جدوجہد کے دوران اس کے داعی اور قائد کی جانب سے اس عملی جدوجہد کے رخ میں تبدیلی کی ضرورت کے احساس کی نمایاں مثال مولانا مودودی مرحوم کی ہے کہ انہوں نے بیس سال تک انتخابی سیاست کی راہ کو اختیار کئے رکھنے کے بعد ۱۹۷۱ء میں محسوس کیا کہ انتخابات کے ذریعے اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کا کوئی امکان نہیں ہے' لہٰذا جماعت کو اپنا رخ تبدیل کرنا چاہئے —— یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ ایک طرف وہ خود جماعت کی امارت کا منصب چھوڑ چکے تھے' دوسری طرف جماعت کی صف دوم کی قیادت کے وہ جملہ عناصر جماعت سے علیحدہ ہو چکے تھے جن سے توقع ہو سکتی تھی کہ وہ مولانا کی سوچ کے رخ کی اس تبدیلی کو خوش آمدید کہتے' اور تیسری طرف جماعت میں جو لوگ اب قیادت و سیادت کے مناصب پر فائز تھے وہ انتخابی سیاست کے عادی ہو چکے تھے' لہٰذا مولانا مرحوم کی سوچ کی یہ تبدیلی جماعت کی پالیسی پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

اس ضمن میں واضح رہے کہ ہماری تحریک کی بعض اساسات تو اتنی محکم اور غیر مبدل ہیں کہ ان پر کسی گفتگو میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔ مثلاً ایک یہ کہ ہماری دعوت کا مرکز و محور اور ذریعہ (MEDIUM) درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم قرآن ہے۔ گویا ہماری تحریک کا قاعدہ (BASE) "دعوت رجوع الی القرآن" ہے —— دوسرا دین اور فرائض دینی کا وہ جامع اور انقلابی تصور ہے جسے ہم نے اسی درس و تدریس قرآن کے ذریعے عام کیا ہے اور اس طرح دین کے ان انقلابی تصورات کو از سر نو اجاگر ہی نہیں مزید مؤکد و مدلل و مبرہن کیا ہے جن کا اجمالی خاکہ علامہ اقبال نے دیا تھا' اور اس خاکے میں ترتیب و تالیف اور منطقی ربط کا رنگ مولانا مودودی نے' اور خالص قرآنی رنگ مولانا اصلاحی نے بھرا تھا —— لیکن وہ اس بنا پر دھندلا گیا تھا کہ ایک جانب جماعت اسلامی نے ایک قومی سیاسی جماعت کا کردار اختیار کر لیا —— اور دوسری جانب مولانا اصلاحی ﴿وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِی الۡخَلۡقِ﴾ اور ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا﴾ کے مصداق اپنے ہی فکر اور عظیم علمی اثاثے کو کچھ اپنے عمل' اور کچھ "فرمودات" کے ذریعے مشتبہ بنا گئے! جس کو بنیاد بنا کر اُن کے بعض خود ساختہ "شارحین" نے اس کی پوری عمارت ہی کو منہدم کرنے پر کمر کس لی! —— تیسرے نمبر پر ہماری اجتماعی جدوجہد کا متعین ہدف' یعنی غلبۂ دین یا اسلامی انقلاب یا قیام نظام خلافت ہے جسے فرائض دینی کے جامع تصور کے "ذروۃ السنام" کی حیثیت حاصل ہے۔ پھر چوتھے نمبر پر اسلامی انقلاب کا وہ "منہاج" ہے جو ہم نے سیرت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کیا ہے۔ جس کے

چھ مراحل میں سے پانچ کے بارے میں تو کسی قیل و قال کی گنجائش ہی نہیں ہے' البتہ آخری اور چھٹے مرحلے کے ضمن میں ہماری ایک اجتہادی رائے سامنے آئی ہے جس پر یقیناً گفتگو ہو سکتی ہے —— ہماری تحریک کی پانچویں محکم اساس یہ ہے کہ ہم نے جماعت سازی یا تنظیم کی اساس کے طور پر سمع و طاعت کی منصوص' مسنون اور ماثور بیعت کو اختیار کیا ہے۔ جس کے ضمن میں ہمیں ایک گونہ فخر حاصل ہے کہ ہم نے اللہ کے فضل و کرم اور اسی کی توفیق و تیسیر سے نہ صرف یہ کہ ایک مردہ سنت کو زندہ کیا' بلکہ اس کا ڈنکا مشرق ہی نہیں عالمِ مغرب میں بھی بجا دیا۔ اور اب الحمد للہ کہ یہ امر ہمارے یہاں اتنا متفق علیہ ہے کہ چند سال قبل جب میں نے ملتزم رفقاء کے ایسے ہی مشاورتی اجتماع میں اس معاملے پر غور و فکر کی دعوت دی کہ سوچ لیا جائے کہ آیا میرے بعد بھی تنظیم میں اسی نظام بیعت کو جاری رکھا جائے یا دستوری نظام اختیار کر لیا جائے تو رفقاء کی عظیم ترین اکثریت کی رائے یہی تھی کہ اسی نظام کو جاری رکھا جائے۔ تاہم اس کے ضمن میں یہ امر پہلے بھی غور و خوض اور گفتگو کا موضوع رہا ہے کہ یہ بیعت کب لی جائے' آیا آغاز ہی میں یا کسی تربیتی مرحلے کے گزارنے کے بعد' —— چنانچہ اس پر اب بھی گفتگو ہو سکتی ہے!

ان "محکماتِ خمسہ" کے بعد معاملہ آتا ہے تنظیم اسلامی کے "نظام العمل" اور اس کے دعوتی' تربیتی اور تنظیمی "معمولات" کا۔ یہ تمام معاملات خالص اجتہادی نوعیت کے ہیں جن میں ہم نے اپنی بساط بھر غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد ایک نظام اختیار کیا' اور بحمد اللہ' بہت حد تک اس پر عامل بھی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی حرفِ آخر نہیں ہے۔ چنانچہ ماہ جولائی میں مرکزی مجلس مشاورت کا جو اجتماع منعقد ہوا تھا اس میں تنظیمی و تربیتی معمولات پر نظرثانی کے لئے ایک کمیٹی بنا دی گئی تھی جس نے اپنی متفقہ سفارشات بھی پیش کر دی ہیں اور ان کے علاوہ مختلف ارکان کمیٹی کی جانب سے پیش کردہ انفرادی آراء بھی سامنے آئی ہیں۔ یہ سفارشات بھی اجتماع کے آغاز کے ساتھ ہی مطبوعہ شکل میں شرکاء کو دے دی جائیں گی تاکہ وہ بھی ان پر حتی الامکان غور کر لیں۔

ہم نے گزشتہ پچیس سال کے عرصے میں اپنی "اساساتِ محکمہ" کے ساتھ اپنے "ہدف معین" یعنی اسلامی انقلاب یا قیام نظام خلافت علی منہاج النبوت کی جانب امکانی حد تک منہج انقلاب نبویؐ پر اپنے نظام العمل کے ذریعے عمل پیرا ہو کر جس قدر پیش رفت کی ہے اس کا یہ پہلو تو بحمد اللہ بہت حوصلہ افزاء ہے کہ ہم نے اپنی "اساساتِ خمسہ" کو دلائل و براہین کے ساتھ پاکستان اور بیرون پاکستان بہت بڑے حلقے تک پہنچا دیا ہے' لیکن "تنظیم" کے ضمن میں توسیع اور استحکام دونوں اعتبارات سے ہماری پیش رفت ہرگز حوصلہ افزا نہیں ہے۔ چنانچہ مجھ سے جب بھی اس ضمن میں کوئی سوال کیا جاتا ہے میں انگریزی الفاظ "SLOW BUT STEADY" ہی کا سہارا لیا کرتا ہوں —— یعنی ہماری رفتار اگرچہ سست ہے تاہم ہے مسلسل اور پیہم! —— تاہم ہمیں اس کے اسباب پر غور ضرور کرتے رہنا چاہئے اور اپنا تنقیدی جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ اس میں کس قدر دخل خارجی اور معروضی حالات کو ہے اور کتنی کوتاہی اور تقصیر یا غلطی اور خطا ہماری داخلی ہے! پھر ظاہر ہے کہ خارجی حالات و معاملات کا سرا تو بالکلیہ مشیت ایزدی کے ہاتھ میں ہے جس کے ضمن میں حضرت نوح علیہ السلام کے سے صبر کی ضرورت ہے —— اور اس ضمن میں ہماری بے تابی اور بے قراری سے' خواہ وہ کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہو' اللہ کی مشیت اور "تدبیر امر" کے ضمن میں اس (تعالیٰ) کی اپنی پلاننگ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے ضمن میں بعض مواقع پر خود آنحضور ﷺ کو بھی ٹوک دیا گیا تھا جیسے ﴿ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ (یونس : ۹۹) یعنی کیا آپؐ لوگوں کو جبراً مسلمان بنانا چاہتے ہیں —— البتہ اپنی داخلی کمزوریوں اور خطاؤں کا ادراک و شعور اور ان کی اصلاح کے لئے تدابیر کا اختیار کرنا ہمارے لئے از بس ضروری ہے! چنانچہ یہ اجتماع اس ضمن میں' ان شاء اللہ العزیز' ایک سنگ میل ثابت ہو گا!

اپنے دعوتی' تربیتی اور تنظیمی معمولات کے مطابق مسلسل سعی و جہد پر مستزاد بعض مواقع پر ہم نے ملکی حالات کی تبدیلی سے فوری طور پر کچھ توقعات وابستہ کر کے بعض وقتی تحریکیں یا خود چلائیں یا بعض دوسرے حلقوں کی جانب سے جاری کردہ تحریکوں میں حصہ لیا۔ اور ان میں کم از کم وقتی طور پر مالی اخراجات کے علاوہ رفقاء اور کارکنوں کے بہت سے وقت اور محنت کا سرمایہ صرف کیا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ توقعات سراب سے زیادہ کچھ نہیں تھیں —— اور ہماری محنت کے بعض ضمنی نتائج تو خیر حاصل ہوئے یعنی یہ کہ تنظیم کا تعارف بڑے حلقے میں ہو گیا' لیکن کوئی ٹھوس (TANGIBLE) نتیجہ حاصل نہ ہو سکا —— اس سلسلے میں اولین اقدام میرا ذاتی تھا جب میں نے جنرل ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ میں شرکت قبول کر لی تھی' تاہم ایک تو اس میں صرف ذاتی سطح پر میرا ہی کچھ وقت صرف ہوا' ثانیاً میں نے جلد ہی اس سے استعفاء بھی دے دیا تھا' چنانچہ تنظیمی سطح پر ہماری کوئی زیادہ INVESTMENT نہیں ہوئی۔ لیکن پھر محمد خان جونیجو کے زمانہ وزارت عظمیٰ میں جب دو سینیٹر حضرات (مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف) کے پیش کردہ "شریعت بل" کی منظوری کے لئے عوامی دباؤ پیدا کرنے کے لئے "متحدہ شریعت محاذ" قائم ہوا تو ہم اس میں تنظیمی سطح پر شامل ہوئے لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ یہ بھی نہ صرف یہ کہ سراب تھا بلکہ جنرل ضیاء الحق کی سیاسی حکمت عملی ہی کا شاخسانہ تھا —— پھر کچھ عرصہ بعد خود ہم نے "تحریک خلافت" کا ڈول ڈالا' اور اس عنوان سے ایک وسیع تر حلقہ منظم کرنے کی کوشش کی۔ یہ اقدام اگرچہ تنظیمی سطح پر "مشاورت" کی تمام ممکنہ سطحوں اور صورتوں کو اختیار کرنے کے بعد کیا گیا تھا لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ اگرچہ ہر عوامی جلسے کے شرکاء میں سے دس فیصد نے تحریک کی رکنیت کے فارم فوری طور پر پُر کر دیئے —— لیکن ان میں سے کوئی ایک شخص بھی متحرک نہیں ہو سکا۔ پھر فروری ۱۹۹۷ء کے انتخابات کے بعد جو اچانک اور غیر متوقع صورتیں سامنے آئیں' یعنی اولاً یہ کہ بہت بھاری مینڈیٹ کے ساتھ "مسلم لیگ" کے نام سے ایک جماعت برسراقتدار آئی' ثانیاً مرکز اور سب سے بڑے صوبے کی حکومت ایک ایسے خاندان کے ہاتھ میں آئی جو کم از کم روایتی مذہب پر عمل پیرا تھا —— اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے ایک معمولی خط کا نتیجہ یہ نکلا کہ میاں محمد شریف اپنے تینوں بیٹوں سمیت دوبار قرآن اکیڈمی

تشریف لائے ـــــ تو اُمید بندھی کہ شاید منجانب اللہ جنرل حمید گل صاحب کی اختیار کردہ اصطلاح کے مطابق "نرم انقلاب" (SOFT REVOLUTION) کی راہ ہموار ہو رہی ہے ـــــ چنانچہ ہم نے دستور پاکستان میں دینی اعتبار سے لازمی ترامیم ـــــ گویا "تکمیل دستور خلافت" کی مہم چلائی اور اس میں بہت سا وقت اور پیسہ صرف کیا' لیکن یہ کوشش بھی ع "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا!" کی مصداق کامل ثابت ہوئی ـــــ اس طرح حکومت سے مایوس ہو کر اس سال کے آغاز میں ہم نے خود "متحدہ اسلامی انقلابی محاذ" کے قیام کی کوشش کی' جس میں بڑی جماعتوں میں سے تو کسی نے شمولیت ہی اختیار نہیں کی' جو مختصر سی صورت وجود میں آئی وہ بھی تاحال "مشاورتوں" کے سلسلے سے آگے نہیں بڑھ سکی ـــــ!

اس مشاورتی اجتماع میں ہمیں اپنی ان تمام مساعی پر بھی تنقیدی نظر ڈالنی ہے کہ نتائج سے قطع نظر ان میں سے کون کون سی کوششیں درست سمت میں تھیں اور کون کون سی آغاز ہی کے اعتبار سے غلط رخ پر تھیں ـــــ تاکہ آئندہ کے لئے ہم اس قسم کے معاملات میں زیادہ صائب فیصلہ کر سکیں۔

ہماری اس تحریک کے اعتبار سے ایک اہم معاملہ ملکی حالات و واقعات کے ضمن میں میرے تبصروں' تجزیوں اور تجاویز کا ہے۔ کچھ عرصہ قبل تک تو ان کے ضمن میں بعض رفقاء کی جانب سے منفی ردعمل سامنے آتا رہتا تھا کہ ان کا حقیقی اور واقعی فائدہ تو کوئی ہوتا نہیں خواہ مخواہ رفقاء کا لوگوں کے سامنے وضاحتیں پیش کرنے میں وقت کا ضیاع ہوتا ہے ـــــ اب کچھ عرصے سے اس ضمن میں خاموشی ہے' لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آیا رفقاء نے انہیں مفید سمجھ کر قبول کر لیا ہے' یا صرف مجبوراً سازگاری (RECONCILAITION) اختیار کر لی ہے۔

میری فہرست میں آخری معاملہ میرے بعد امیر تنظیم اسلامی کی حیثیت سے عزیزم عاکف سعید سلمہ کی نامزدگی کا ہے۔ میں اس کے ضمن میں بھی رفقاء کو نظر ثانی کا پورا موقع دینا چاہتا ہوں۔ نامزدگی کا یہ فیصلہ ڈیڑھ سال قبل جس مشاورتی عمل سے گزرنے کے بعد کیا گیا تھا اس کی تفصیل اس سے قبل "میثاق" میں بھی شائع کر دی گئی تھی ـــــ اور اب دوبارہ اجتماع کے موقع پر بھی فراہم کر دی جائے گی ـــــ اور اس پر اظہار خیال کا موقع دینے کے بعد استصواب کی کوئی صورت اختیار کر لی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو! اللھم الھمنا رشدنا واعذنا من شرور انفسنا واھدنا الی صراطک المستقیم۔ آمین یا رب العلمین

فقط والسلام

خاکسار **اسرار احمد** عفی عنہ

تنظیم اسلامی کا سالانہ تربیتی اجتماع

برائے ملتزم رفقاء

24 تا 28 اکتوبر' قرآن آڈیٹوریم

اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہو گا' ان شاء اللہ

رفقاء نوٹ فرمالیں کہ:

- اس اجتماع میں تمام ملتزم رفقاء کی ہمہ وقت شرکت ضروری ہے۔
- اجتماع کا آغاز اتوار 24 اکتوبر کو بعد نماز عصر ہو گا اور اختتام 28 اکتوبر کو نماز ظہر پر ہو گا۔
- وہ مبتدی رفقاء جو مبتدی تربیت گاہ میں شرکت کر چکے ہوں' خصوصی اجازت حاصل کر کے اس اجتماع میں شریک ہو سکیں گے (اس کے لئے درخواست مقامی نظم کی وساطت سے ناظم اعلیٰ کے نام آنی چاہئے)
- اس اجتماع میں ان رفیقات کو بھی شرکت کی اجازت ہو گی جن کے ہمراہ چھوٹے بچے نہ ہوں۔ بیرون لاہور سے آنے والی رفیقات کے لئے محدود پیمانے پر رہائش کا انتظام ہو گا۔ خواہش مند رفیقات ناظمہ علیا کو 15/اکتوبر تک لازماً مطلع کر دیں ـــــ غیر رفیقات کو اس پروگرام میں شرکت کی اجازت نہیں ہو گی۔

المعلن: ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان فون : 6316638

اُمت کا مرثیہ

بشیر احمد اعوان

(رفیق تنظیم اسلامی میانوالی)

خدا کو چھوڑ کے جھکتا رہا غیروں کے ہاں اکثر
تیرے ہاتھوں بہت ہوتا رہا تیرا زیاں اکثر
کسی سے اپنی رسوائی کا لب پر ہے گلہ کیونکر
تیری تذلیل خود کرتی رہی تیری زباں اکثر
کبھی جب ظلم کا بدلہ چکا لینے کی بات آئی
تیری گردن پہ تیرے ناخنوں کے تھے نشاں اکثر
تجھے اپنی انا کا' آبرو کا' کیا سلیقہ ہو
تو خود اپنی سلاسل کا رہا ہے پاسباں اکثر
اسی کے نقش پا کی پیروی پر ناز ہے تجھ کو
کہ لوٹا جس نے بے دردی سے تیرا کارواں اکثر
بھلا دی تو نے تاریخ درخشاں اپنے ماضی کی
رہا ہے مہر تاباں تیری آنکھوں سے نہاں اکثر
اگر مطلوب ہے منزل تو فطرت آشنا ہو جا
تری فطرت میں پوشیدہ ہے راز کن فکاں اکثر
اشاروں پر کسی کے ناچنا تجھ کو نہیں زیبا
ہواؤں کے رخوں پر بھاگنا تجھ کو نہیں زیبا

تجزیہ نگار کے نقطہ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

بھارتی تاریخ گواہ ہے کہ آج تک صرف نہرو خاندان ہی مستحکم حکومت قائم کر سکا ہے

واقعہ کارگل سے بلاشبہ بی جے پی کو سیاسی فائدہ پہنچا ہے لیکن وہ سادہ اکثریت حاصل نہیں کر سکے گی

واجپائی کا حکومت بنانا پاکستان کے نقطہ نظر سے بہتر ثابت ہوگا

حالیہ بھارتی انتخابات کے حوالے سے مرزا ایوب بیگ کا تجزیہ

عالمی نشریاتی ذرائع پر اس وقت بھارت کے انتخابات کا غلغلہ ہے۔ بھارت جو بلاشبہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے لیکن وہاں گزشتہ تین سال سے کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں ہو رہی اور ان تین سالوں میں تین انتخابات ہو چکے ہیں یعنی اوسطاً سال میں ایک مرتبہ انتخابات ہوئے لیکن ہر مرتبہ ھنگ (معلق) پارلیمنٹ وجود میں آئی۔

اب تک جو صورت حال سامنے آئی ہے اس کے مطابق صرف کانگرسی حکومتیں مستحکم حکومتیں ثابت ہوئی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ صرف نہرو خاندان مستحکم حکومت قائم کر سکا' یعنی خود نہرو' اس کی بیٹی اندرا گاندھی اور اس کا نواسہ راجیو گاندھی ہی پائیدار حکومتیں قائم کر سکے جبکہ غیر کانگرسی حکومتوں نے گرتے پڑتے وقت گزارا ہے اور ان کی حکومت کا دورانیہ بھی خاصا مختصر رہا ہے۔ اس مرتبہ جب واجپائی حکومت تحریک عدم اعتماد میں شکست کھا گئی تو صدر نے پارلیمنٹ توڑنے سے پہلے کانگرس کو حکومت بنانے کی دعوت دی لیکن سر توڑ کوششوں کے باوجود کانگرس حکومت بنانے میں ناکام رہی اور کانگرس کی نئی صدر اور نہرو فیملی کی غیر ملکی بہو سونیا گاندھی نے حکومت سازی میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔

نئے انتخابات کے انعقاد کا اعلان ہوا تو بی جے پی کی پوزیشن کوئی اچھی نہیں تھی۔ مہنگائی خاص طور پر پیاز کی عدم دستیابی نے بی جے پی کو مشکلات سے دوچار کر دیا۔ چینی بھی پاکستان سے درآمد کی جا رہی تھی جسے وہاں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا رہا تھا۔ بعض وزراء کی کرپشن کے قصے بھی مشہور ہوئے تھے۔ یہ بھی تاثر تھا کہ عیسائی مشنریوں کے خلاف تشدد کی وارداتیں بھی حکومت کی پشت پناہی سے کی گئی ہیں۔ اس پس منظر کی وجہ سے بی جے پی کا کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کر سکے گی۔ لیکن حکومت ٹوٹنے کے بعد دو ایسے واقعات ہوئے جن سے بی جے پی کو سیاسی میدان میں زور دار طریقے سے آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ پہلا یہ کہ کانگرس کے بعض شکست خوردہ رہنماؤں نے کانگرس کو مضبوط کرنے کے لئے نہرو فیملی کا جو سہارا تلاش کیا تھا اس سے کانگرس کے دوسرے بعض بڑے رہنماؤں نے شدید اختلاف کیا' وہ یہ برداشت نہ کر سکے کہ ایک سیاسی نووارد غیر ملکی خاتون کو محض نہرو خاندان سے تعلق ہونے کی بنا پر ان پر مسلط کر دیا جائے۔ یہ اختلافات اگرچہ سونیا کے کانگرس کے صدر بنتے ہی رونما ہو چکے تھے لیکن واجپائی حکومت ٹوٹنے اور نئے انتخابات کے اعلان سے ان اختلافات میں اتنی زیادہ شدت پیدا ہو گئی کہ سونیا گاندھی نے کانگرس کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ بعد ازاں عوامی دباؤ یا اقتدار کی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا لیکن کانگرس میں دراڑیں پڑ گئیں اور بہت سے پرانے کانگرسی رہنما جماعت سے الگ ہو گئے۔

دوسرا واقعہ اہم تر بھی تھا اور اس نے بی جے پی کو نہ صرف سیاسی طور پر فائدہ پہنچایا بلکہ صحیح تر الفاظ میں اسے سیاست کے میدان کا شیر بھی بنا دیا اور وہ اپنی مدمقابل کانگریس جماعت پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگا۔ یہ واقعہ کارگل کی چوٹیوں پر پاکستان کا قبضہ تھا۔ بھارت کی اگرچہ میدان جنگ میں زبردست پٹائی ہوئی تھی اور وہ جنگ کے ذریعے چوٹیوں کو واپس لینے میں بری طرح ناکام ہو گیا تھا۔ فوجی کارکردگی کے حوالے سے واجپائی حکومت کی پوزیشن بہت خراب ہو گئی تھی اور کانگریس کو حکومت پر زبردست تنقید کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن واجپائی حکومت نے سفارتی اور سیاسی محاذ پر انتہائی زور دار اور بھرپور جنگ لڑی اور ان محاذوں پر پاکستان کو شکست فاش دی اور وہ چاروں خانے چت ہو کر مکمل طور پر بھارت کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے اور کارگل کی پہاڑیوں سے واپس آنے پر یک طرفہ طور پر رضامند ہو گیا۔ یہ مکمل طور پر ہتھیار ڈالنے کے مترادف تھا لہٰذا واجپائی اور بی جے پی کے امیدواروں نے زور دار جشن منایا اور اس کو انتخابات کا ایشو بنا دیا جس سے ظاہری طور پر پانسہ پلٹ گیا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دنیا بھر کے تجزیہ نگار اور مبصرین بی جے پی کی انتخابات میں فتح کی پیشین گوئیاں کر رہے ہیں اور بات سادہ اکثریت سے (جو ۲۷۳ نشستوں سے حاصل ہو سکتی ہے) تین سو نشستوں تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات جو بی جے پی کے حق میں گئی ہے وہ سونیا کا پیدائشی طور پر بھارتی نہ ہونا ہے۔ پھر یہ کہ وہ سیاست میں نووارد ہیں اور ایک لیڈر کی حیثیت سے ان کی خدمات عوام کے سامنے نہیں ہیں۔ شاید اسی لئے واجپائی کے وزیر دفاع جارج فرنینڈس نے کہا ہے کہ سونیا نے دو بچوں کو جنم دینے کے سوا بھارت کی اور کیا خدمت کی ہے۔

بھارت میں مرکزی اسمبلی کی کل (۵۴۵) پانچ سو پینتالیس نشستیں ہیں جن کے لئے نو سو شہروں میں ۱۵۰۰ مراکز بنائے گئے۔ پانچ سیٹوں پر تشدد کے واقعات کی وجہ سے انتخابات ملتوی کر دیئے گئے جو اس ماہ کے آخر میں ہوں گے۔ قارئین کرام جب آپ یہ سطور پڑھ رہے ہوں گے بھارتی انتخابات کے نتائج منظر عام پر آ چکے ہوں گے۔ دنیا بھر کے تجزیہ نگاروں اور مبصرین کے اندازے درست یا غلط ثابت ہو چکے ہوں گے لہٰذا راقم کی خواہش ہے کہ وہ اپنا اندازہ اور تجزیہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دے۔

راقم کی رائے تمام تخمینہ سازوں اور تجزیہ نگاروں سے مختلف ہے۔ راقم کی رائے میں اگرچہ کارگل کی جنگ بی جے پی کے لئے بہت مفید ہے اور اس واقعہ سے یقیناً بی جے پی کی نشستوں میں اضافہ ہوگا لیکن بی جے پی سادہ اکثریت حاصل نہیں کر سکے گی اور ایک بار پھر (ھنگ) پارلیمنٹ وجود میں آئے گی۔ بی جے پی کی نشستیں ۲۲۵ اور ۲۵۰ کے درمیان ہوں گی۔ اگرچہ عین ممکن ہے کہ وہ دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر حکومت بنانے میں

کامیاب ہو جائے لیکن وہ ایسی مضبوط حکومت بنانے میں کامیاب نہیں ہوگی اور بھارتی عوام کو دو سال تک شاید پھر پولنگ کے لئے نکلنا پڑے۔ راقم کی رائے میں اس مرتبہ علاقائی جماعتیں پہلے کی نسبت زیادہ نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ اور یہی جماعتیں حکومت سازی اور حکومت شکنی میں اہم رول ادا کریں گی۔ سونیا گاندھی کے لئے حکومت بنانا بہت دشوار ہوگا البتہ یہ بات کافی حد تک یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر واجپائی حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئے تو اگلے انتخابات میں جو دو سال تک متوقع ہیں راجیو کی بیٹی پریانکا گاندھی ایک مضبوط لیڈر بن کر ابھرے گی۔ راقم کی رائے میں اس سے پہلے بھارت میں مضبوط حکومت کم از کم نہیں بن سکتی۔ دنیا بھر کے مبصرین کے برعکس رائے قائم کرنا اگرچہ بہت دشوار ہوتا ہے اور شرمندگی اٹھانے کے بہت امکانات ہوتے ہیں لیکن اندازوں میں چونکہ جمہوریت نہیں ہوتی لہٰذا عین ممکن ہے ایک رائے نناوے اندازوں پر سبقت لے جائے۔ بہرحال آنے والے وقت کے بارے میں اللہ رب العزت ہی بہتر جانتا ہے۔

بھارت کے انتخابات پاکستان کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس صدی میں ان دونوں ممالک کی دشمنی وقت کے اعتبار سے طویل ترین ہے' دونوں ممالک کے عوام کی اکثریت ایک دوسرے کے خلاف گہرے اور بھرپور مخالفانہ جذبات رکھتی ہیں۔ دونوں ممالک انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے بعد تین بڑی اور کئی چھوٹی چھوٹی جنگیں لڑ چکے ہیں۔ سرحدی جھڑپیں روزمرہ کا معمول ہے۔ اس حوالے سے اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بھارت میں کس جماعت کی حکومت پاکستان کے لئے بہتر اور کونسی بدتر ثابت ہوگی۔ اس کا سیدھا سادا جواب تو یہ ہے کہ اس کا انحصار خود پاکستان پر ہے۔ پاکستان کا معاشرہ زندگی کے ہر شعبے میں جس طرح زوال پذیر ہے یہ سلسلہ اگر جاری رہا تو واجپائی کی حکومت اگر پاکستان کے لئے بری ہوگی تو سونیا کی حکومت بدتر ثابت ہوگی۔ لیکن اگر ہم اپنے اطوار بدل لیں' ظلم کی جگہ انصاف اور جہالت کی جگہ اگر علم لے لے' سچ چھا جائے اور جھوٹ ناپید ہو جائے' ناتوانی اگر توانائی میں بدل جائے' ہم اگر حیا کی چادر تان لیں اور فحاشی و بے حیائی کو نیست و نابود کر دیں' قرض حسنہ دستیاب ہو اور سود بے سود ہو جائے تو واجپائی بھی ہاتھ جوڑ جوڑ کر مہاراج مہاراج کہے گا اور سونیا بھی ثقافتی فتح کا ڈنکا نہیں بجا سکے گی۔ لیکن موجودہ صورت حال اگر جاری رہی تو ترنوالہ کسے نہیں بھاتا۔ بہرحال مجھے اس معاملے میں بھی اکثر تجزیہ نگاروں سے اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بی جے پی ایک انتہا پسند جماعت ہے' اس جماعت کی اکثریت متعصب ہندوؤں پر مشتمل ہے' پھر یہ کہ بی جے پی کیونکہ R.S.S. کا سیاسی ونگ ہے جن کا فلسفہ یہ ہے کہ ہندوستان میں صرف ہندو رہ سکتا ہے' پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹانا ان کے ایمان کا حصہ ہے' بابری مسجد کو شہید کرنے میں یہ لوگ پیش پیش تھے اور اب واجپائی صاف صاف کہہ رہا ہے کہ بھارت پاکستان کے بغیر نامکمل ہے لہٰذا واجپائی کا حکومت میں دوبارہ آنا پاکستان کے لئے بہت خطرناک ثابت ہوگا۔

راقم اس بات کا پھر اعادہ کرے گا کہ پاکستان اگر زمین ہی میں دھنستا چلا گیا اور خودکشی پر بھی اتر آیا تو کونسا بھارتی حاکم سنہری موقعہ ضائع کرے گا گو کہ اگر پاکستان اپنے آپ کو کسی نہ کسی صورت میں کھڑا رکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو واجپائی کی مضبوط حکومت نہ صرف پاکستان بلکہ اس سارے خطے کے لئے مفید اور امن قائم کرنے کا باعث بنے گی۔ سونیا گاندھی حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئیں تو واجپائی انتہائی خطرناک اپوزیشن لیڈر ثابت ہوگا اور خطے کا امن خطرے میں رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بی جے پی ایک انتہا پسند جماعت ہے اور واجپائی ایک متعصب اور کٹر ہندو لیڈر ہے۔ بھارت کے بہت سے علاقے اگرچہ اس وقت شورش زدہ ہیں لیکن کشمیر کی صورت حال انتہائی خطرناک ہے جس سے بھارت کا شدید جانی اور مالی نقصان ہو رہا ہے۔ اس پس منظر میں واجپائی اگر پاکستان کو کچھ رعائتیں دیکر معاملے کو نپٹانے کی کوشش کرتا ہے تو شاید بھارتی عوام ہضم کر لیں لیکن سونیا گاندھی اگر اس سمت ایک قدم بھی اٹھانے کی کوشش کرے گی تو غیر ملکی خاتون کا ملکی مفادات کا سودا کرنے کا پروپیگنڈا اتنے زور و شور سے ہوگا کہ اس طوفان میں سونیا کا اقتدار تنکے کی طرح بہہ جائے گا۔ اس کے عیسائی ہونے کا معاملہ بھی بڑی شدت سے اٹھایا جائے گا۔ لہٰذا اپنے آپ کو پکا بھارتی مفادات کا محافظ ثابت کرنے کے لئے سونیا کو پاکستان کے خلاف سخت اقدامات اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اس معاملے میں ان کے حالات پاکستان سے کافی مماثلت رکھتے ہیں۔ بے نظیر بھٹو آکسفورڈ کی پڑھی ہوئی تھیں۔ ایک طویل وقت امریکہ اور یورپ میں گزارا تھا۔ خاندانی طرز بود و باش کافی حد تک مغربی ہو چکا تھا۔ ایک آزاد خیال اور سیکولر نظریات کی حامل خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ پھر یہ کہ بھارت سے تعلقات کے حوالے سے شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لہٰذا وہ اگر امریکہ سے ہم خیالی کا اظہار کرتیں یا بھارت سے تجارت اور بیک چینل ڈپلومیسی کا طریقہ اختیار کرتیں یا توہین رسالت قانون میں ترمیم کا سوچتیں تو طوفان کھڑا ہو جاتا اور کافر اور غدار اعظم قرار پاتیں لیکن یہ سب کچھ وہ شخص کر گزرا جو کسی نہ کسی سطح پر مذہبی گھرانے سے تعلق رکھنے والا اور میڈان پاکستان لیڈر کے طور پر مشہور ہے۔ یہی معاملہ بھارت کا ہے کہ پاکستان سے تعلقات کے حوالے سے چونکہ واجپائی بڑے غیر لچک دار اور سخت نظریات کے حامل سمجھے جاتے ہیں لہٰذا راقم کی رائے میں وہ بھارت میں واحد شخصیت ہیں جو بھارت کے مفادات کے تحفظ کے حوالے سے اگر پاکستان کو رعایت دیں گے تو عوام کسی قدر قبول کر لیں گے۔ جب کہ یہ غیر ملکی خاتون سونیا کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا راقم کی رائے میں واجپائی کا نہ صرف حکومت بنانا بلکہ مضبوط حکومت بنانا پاکستان کے نقطہ نظر سے بہتر ثابت ہوگا' البتہ یہ آسان نظر نہیں آتا۔

بقیہ : منبر و محراب

کہ مکہ داخل ہوتے ہی آپ پر قاتلانہ حملہ کیا جاتا۔ ابو طالب کہ جن کی امان آپ کو اس سے قبل حاصل تھی وہ اب زندہ نہ تھے لہٰذا آپ مکہ کے ایک مشرک سردار مطعم بن عدی کی امان لے کر مکے میں داخل ہوئے۔ بعض سیرت نگاروں نے اس واقعے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ انہیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ حضور ﷺ نے ایک مشرک کی امان لی۔ اسباب و وسائل کی دنیا میں اسباب اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ یہ اقامت دین کی جدوجہد کا لازمی تقاضا ہے' یہاں ہر موقع پر آئیڈلزم سے کام نہیں چل سکتا۔ واقعیت پسندی اور حقیقت پسندی کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے ؎

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج نہ ہو سکے گا حریف سنگ

میری آج کی پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ داعی حق اور اقامت دین کی جدوجہد کے قائدین کے لئے لازم ہے کہ اپنی اصولی دعوت کو جاری رکھتے ہوئے' بدلتے ہوئے حالات کا بنظر غائر جائزہ لیتے ہوئے غور کرتے رہیں کہ کدھر سے کوئی راستہ نکل سکتا ہے۔ کدھر سے کوئی امید کی کرن نظر آتی ہے اور جو موقع بھی سامنے آئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ چاہے بعد میں معلوم ہو کہ ہمارا یہ فیصلہ صحیح ثابت نہیں ہوا' اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ جیسے حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لئے متبادل مرکز کی تلاش میں سفر طائف اختیار کیا۔ اور یہ بعد میں پتہ چلا کہ یہ فیصلہ سودمند ثابت نہیں ہوا۔ اسی طرح سورۂ کہف کی ان آیات میں حضور ﷺ کو فقراء و مساکین کی طرف التفات میں جو عدم توازن ہوا اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس طرز عمل میں میانہ روی کی ضرورت ہے۔ گویا یہ حضور ﷺ کا اجتہاد تھا اور مقصد کے حصول کی لگن تھی کہ آپ کا التفات معاشرے کے بااثر لوگوں کی طرف کچھ زیادہ ہو گیا تھا' لہٰذا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے بہت سے مواقع پر اجتہاد فرمایا ہے اور اقامت دین کی جدوجہد میں لامحالہ اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ OO

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

بھارتی تاریخ گواہ ہے کہ آج تک صرف نہرو خاندان ہی مستحکم حکومت قائم کر سکا ہے

واقعہ کارگل سے بلاشبہ بی جے پی کو سیاسی فائدہ پہنچا ہے لیکن وہ سادہ اکثریت حاصل نہیں کر سکے گی

واجپائی کا حکومت بنانا پاکستان کے نقطۂ نظر سے بہتر ثابت ہو گا

حالیہ بھارتی انتخابات کے حوالے سے مرزا ایوب بیگ کا تجزیہ

عالمی نشریاتی ذرائع پر اس وقت بھارت کے انتخابات کا غلغلہ ہے۔ بھارت جو بلاشبہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے لیکن وہاں گزشتہ تین سال سے کوئی مستحکم حکومت قائم نہیں ہو رہی اور ان تین سالوں میں تین انتخابات ہو چکے ہیں یعنی اوسطاً ہر سال میں ایک مرتبہ انتخابات ہوئے لیکن ہر مرتبہ ہنگ (معلق) پارلیمنٹ وجود میں آئی۔

اب تک جو صورت حال سامنے آئی ہے اس کے مطابق صرف کانگرسی حکومتیں مستحکم حکومتیں ثابت ہوئی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ صرف نہرو خاندان مستحکم حکومت قائم کر سکا' یعنی خود نہرو' اس کی بیٹی اندرا گاندھی اور اس کا نواسہ راجیو گاندھی ہی پائیدار حکومتیں قائم کر سکے جبکہ غیر کانگرسی حکومتوں نے گرتے پڑتے وقت گزارا ہے اور ان کی حکومت کا دورانیہ بھی خاصا مختصر رہا ہے۔

اس مرتبہ جب واجپائی حکومت تحریک عدم اعتماد میں شکست کھا گئی تو صدر نے پارلیمنٹ توڑنے سے پہلے کانگرس کو حکومت بنانے کی دعوت دی لیکن سر توڑ کوششوں کے باوجود کانگرس حکومت بنانے میں ناکام رہی اور کانگرس کی نئی صدر اور نہرو فیملی کی غیر ملکی بہو سونیا گاندھی نے حکومت سازی میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔

نئے انتخابات کے انعقاد کا اعلان ہوا تو بی جے پی کی پوزیشن کوئی اچھی نہیں تھی۔ مہنگائی خاص طور پر پیاز کی عدم دستیابی نے بی جے پی کو مشکلات سے دوچار کر دیا۔ چینی بھی پاکستان سے درآمد کی جا رہی تھی جسے وہاں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا رہا تھا۔ بعض وزراء کی کرپشن کے قصے بھی مشہور ہوئے تھے۔ یہ بھی تاثر تھا کہ عیسائی مشنریوں کے خلاف تشدد کی وارداتیں بھی حکومت کی پشت پناہی سے کی گئی ہیں۔ اس پس منظر کی وجہ سے بی جے پی کا کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کر سکے گی۔ لیکن حکومت ٹوٹنے کے بعد دو ایسے واقعات ہوئے جن سے بی جے پی کو سیاسی میدان میں زور دار طریقے سے آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ پہلا یہ کہ کانگرس کے بعض شکست خوردہ رہنماؤں نے کانگرس کو مضبوط کرنے کے لئے نہرو فیملی کا جو سہارا تلاش کیا تھا اس سے کانگرس کے دوسرے بعض بڑے رہنماؤں نے شدید اختلاف کیا' وہ یہ برداشت نہ کر سکے کہ ایک سیاسی نووارد غیر ملکی خاتون کو محض نہرو خاندان سے تعلق ہونے کی بنا پر ان پر مسلط کر دیا جائے۔ یہ اختلافات اگرچہ سونیا کے کانگرس کے صدر بنتے ہی رونما ہو چکے تھے لیکن واجپائی حکومت ٹوٹنے اور نئے انتخابات کے اعلان سے ان اختلافات میں اتنی زیادہ شدت پیدا ہو گئی کہ سونیا گاندھی نے کانگرس کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ بعد ازاں عوامی دباؤ یا اقتدار کی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا لیکن کانگرس میں دراڑیں پڑ گئیں اور بہت سے پرانے کانگرسی رہنما جماعت سے الگ ہو گئے۔

دوسرا واقعہ اہم تر بھی تھا اور اس نے بی جے پی کو نہ صرف سیاسی طور پر فائدہ پہنچایا بلکہ صحیح تر الفاظ میں اسے سیاست کے میدان کا شیر بھی بنا دیا اور وہ اپنی مدمقابل کانگریس جماعت پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگا۔ یہ واقعہ کارگل کی چوٹیوں پر پاکستان کا قبضہ تھا۔ بھارت کی اگرچہ میدان جنگ میں زبردست پٹائی ہوئی تھی اور وہ جنگ کے ذریعے چوٹیوں کو واپس لینے میں بری طرح ناکام ہو گیا تھا۔ فوجی کارکردگی کے حوالے سے واجپائی حکومت کی پوزیشن بہت خراب ہو گئی تھی اور کانگریس کو حکومت پر زبردست تنقید کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن واجپائی حکومت نے سفارتی اور سیاسی محاذ پر انتہائی زور دار اور بھرپور جنگ لڑی اور ان محاذوں پر پاکستان کو شکست فاش دی اور وہ چاروں خانے چت ہو کر مکمل طور پر بھارت کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے اور کارگل کی پہاڑیوں سے واپس آنے پر یک طرفہ طور پر رضامند ہو گیا۔ یہ مکمل طور پر ہتھیار ڈالنے کے مترادف تھا لہٰذا واجپائی اور بی جے پی کے امیدواروں نے زور دار جشن منایا اور اس کو انتخابات کا ایشو بنا دیا جس سے ظاہری طور پر پانسہ پلٹ گیا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ دنیا بھر کے تجزیہ نگار اور مبصرین بی جے پی کی انتخابات میں فتح کی پیشین گوئیاں کر رہے ہیں اور بات سادہ اکثریت سے (جو ۲۷۳ نشستوں سے حاصل ہو سکتی ہے) تین سو نشستوں تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات جو بی جے پی کے حق میں گئی ہے وہ سونیا کا پیدائشی طور پر بھارتی نہ ہونا ہے۔ پھر یہ کہ وہ سیاست میں نووارد ہیں اور ایک لیڈر کی حیثیت سے ان کی خدمات عوام کے سامنے نہیں ہیں۔ شاید اسی لئے واجپائی کے وزیر دفاع جارج فرنینڈس نے کہا ہے کہ سونیا نے دو بچوں کو جنم دینے کے سوا بھارت کی اور کیا خدمت کی ہے۔

بھارت میں مرکزی اسمبلی کی کل (۵۴۵) پانچ سو پینتالیس نشستیں ہیں جن کے لئے نو سو شہروں میں ۱۵۰۰ مراکز بنائے گئے۔ پانچ سیٹوں پر تشدد کے واقعات کی وجہ سے انتخابات ملتوی کر دیئے گئے جو اس ماہ کے آخر میں ہوں گے۔ قارئین کرام جب آپ یہ سطور پڑھ رہے ہوں گے بھارتی انتخابات کے نتائج منظر عام پر آ چکے ہوں گے۔ دنیا بھر کے تجزیہ نگاروں اور مبصرین کے اندازے درست یا غلط ثابت ہو چکے ہوں گے لہٰذا راقم کی خواہش ہے کہ وہ اپنا اندازہ اور تجزیہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دے۔

راقم کی رائے تمام تخمینہ سازوں اور تجزیہ نگاروں سے مختلف ہے۔ راقم کی رائے میں اگرچہ کارگل کی جنگ بی جے پی کے لئے بہت مفید ہے اور اس واقعہ سے یقیناً بی جے پی کی نشستوں میں اضافہ ہو گا لیکن بی جے پی سادہ اکثریت حاصل نہیں کر سکے گی اور ایک بار پھر (ہنگ) پارلیمنٹ وجود میں آئے گی۔ بی جے پی کی نشستیں ۲۲۵ اور ۲۵۰ کے درمیان ہوں گی۔ اگرچہ عین ممکن ہے کہ وہ دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر حکومت بنانے میں

کامیاب ہو جائے لیکن وہ ایسی مضبوط حکومت بنانے میں کامیاب نہیں ہوگی اور بھارتی عوام کو دو سال تک شاید پھر پولنگ کے لئے نکلنا پڑے۔ راقم کی رائے میں اس مرتبہ علاقائی جماعتیں پہلے کی نسبت زیادہ نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ اور یہی جماعتیں حکومت سازی اور حکومت شکنی میں اہم رول ادا کریں گی۔ سونیا گاندھی کے لئے حکومت بنانا بہت دشوار ہوگا البتہ یہ بات کافی حد تک یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر واجپائی حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئے تو اگلے انتخابات میں جو دو سال تک متوقع ہیں راجیو کی بیٹی پریانکا گاندھی ایک مضبوط لیڈر بن کر ابھرے گی۔ راقم کی رائے میں اس سے پہلے بھارت میں مضبوط حکومت کم از کم نہیں بن سکتی۔ دنیا بھر کے مبصرین کے برعکس رائے قائم کرنا اگرچہ بہت دشوار ہوتا ہے اور شرمندگی اٹھانے کے بہت امکانات ہوتے ہیں لیکن اندازوں میں چونکہ جمہوریت نہیں ہوتی لہٰذا عین ممکن ہے ایک رائے ننانوے اندازوں پر سبقت لے جائے۔ بہرحال آنے والے وقت کے بارے میں اللہ رب العزت ہی بہتر جانتا ہے۔

بھارت کے انتخابات پاکستان کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس صدی میں ان دونوں ممالک کی دشمنی وقت کے اعتبار سے طویل ترین ہے' دونوں ممالک کے عوام کی اکثریت ایک دوسرے کے خلاف گہرے اور بھرپور مخالفانہ جذبات رکھتی ہیں۔ دونوں ممالک انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے بعد تین بڑی اور کئی چھوٹی چھوٹی جنگیں لڑ چکے ہیں۔ سرحدی جھڑپیں روزمرہ کا معمول ہے۔ اس حوالے سے اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بھارت میں کس جماعت کی حکومت پاکستان کے لئے بہتر اور کونسی بدتر ثابت ہوگی۔ اس کا سیدھا سادا جواب تو یہ ہے کہ اس کا انحصار خود پاکستان پر ہے۔ پاکستان کا معاشرہ زندگی کے ہر شعبے میں جس طرح زوال پذیر ہے یہ سلسلہ اگر جاری رہا تو واجپائی کی حکومت اگر پاکستان کے لئے بری ہوگی تو سونیا کی حکومت بدتر ثابت ہوگی۔ لیکن اگر ہم اپنے اطوار بدل لیں' ظلم کی جگہ انصاف اور جہالت کی جگہ اگر علم لے لے' سچ چھا جائے اور جھوٹ ناپید ہو جائے' ناتوانی اگر توانائی میں بدل جائے' ہم اگر حیا کی چادر تان لیں اور فحاشی و بے حیائی کو نیست و نابود کر دیں' قرض حسنہ دستیاب ہو اور سود بے سود ہو جائے تو واجپائی بھی ہاتھ جوڑ جوڑ کر مہاراج مہاراج کہے گا اور سونیا بھی ثقافتی فتح کا ڈنکا نہیں بجا سکے گی۔ لیکن موجودہ صورت حال اگر جاری رہی تو تر نوالہ کسے نہیں بھاتا۔ بہرحال مجھے اس معاملے میں بھی اکثر تجزیہ نگاروں سے اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بی جے پی ایک انتہاپسند جماعت ہے' اس جماعت کی اکثریت متعصب ہندوؤں پر مشتمل ہے' پھر یہ کہ بی جے پی کیونکہ R.S.S. کا سیاسی ونگ ہے جن کا فلسفہ یہ ہے کہ ہندوستان میں صرف ہندو رہ سکتا ہے' پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانا ان کے ایمان کا حصہ ہے' بابری مسجد کو شہید کرنے میں یہ لوگ پیش پیش تھے اور اب واجپائی صاف صاف کہہ رہا ہے کہ بھارت پاکستان کے بغیر نامکمل ہے لہٰذا واجپائی کا حکومت میں دوبارہ آنا پاکستان کے لئے بہت خطرناک ثابت ہوگا۔

راقم اس بات کا پھر اعادہ کرے گا کہ پاکستان اگر زمین ہی میں دھنستا چلا گیا اور خودکشی پر بھی اتر آیا تو کونسا بھارتی حاکم سنہری موقعہ ضائع کرے گا وگرنہ اگر پاکستان اپنے آپ کو کسی نہ کسی صورت میں کھڑا رکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو واجپائی کی مضبوط حکومت نہ صرف پاکستان بلکہ اس سارے خطے کے لئے مفید اور امن قائم کرنے کا باعث بنے گی۔ سونیا گاندھی حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئیں تو واجپائی انتہائی خطرناک اپوزیشن لیڈر ثابت ہوگا اور خطے کا امن خطرے میں رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بی جے پی ایک انتہاپسند جماعت ہے اور واجپائی ایک متعصب اور کٹر ہندو لیڈر ہے۔ بھارت کے بہت سے علاقے اگرچہ اس وقت شورش زدہ ہیں لیکن کشمیر کی صورت حال انتہائی خطرناک ہے جس سے بھارت کا شدید جانی اور مالی نقصان ہو رہا ہے۔ اس پس منظر میں واجپائی اگر پاکستان کو کچھ رعائتیں دیکر معاملے کو نبٹانے کی کوشش کرتا ہے تو شاید بھارتی عوام ہضم کر لیں لیکن سونیا گاندھی اگر اس سمت ایک قدم بھی اٹھانے کی کوشش کرے گی تو غیر ملکی خاتون کا ملکی مفادات کا سودا کرنے کا پروپیگنڈا اتنے زور و شور سے ہوگا کہ اس طوفان میں سونیا کا اقتدار تنکے کی طرح بہہ جائے گا۔ اس کے عیسائی ہونے کا معاملہ بھی بڑی شدت سے اٹھایا جائے گا۔ لہٰذا اپنے آپ کو پکا بھارتی مفادات کا محافظ ثابت کرنے کے لئے سونیا کو پاکستان کے خلاف سخت اقدامات اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اس معاملے میں ان کے حالات پاکستان سے کافی مماثلت رکھتے ہیں۔ بے نظیر بھٹو آکسفورڈ کی پڑھی ہوئی تھیں۔ ایک طویل وقت امریکہ اور یورپ میں گزارا تھا۔ خاندانی طرز بود و باش کافی حد تک مغربی ہو چکا تھا۔ ایک آزاد خیال اور سیکولر نظریات کی حامل خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ پھر یہ کہ بھارت سے تعلقات کے حوالے سے شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لہٰذا وہ اگر امریکہ سے ہم خیالی کا اظہار کرتیں یا بھارت سے تجارت اور بیک چینل ڈپلومیسی کا طریقہ اختیار کرتیں یا توہین رسالت قانون میں ترمیم کا سوچتی تو طوفان کھڑا ہو جاتا اور کافر اور غدار اعظم قرار پاتیں لیکن یہ سب کچھ وہ شخص کر گزرا جو کسی نہ کسی سطح پر مذہبی گھرانے سے تعلق رکھنے والا اور میڈان پاکستان لیڈر کے طور پر مشہور ہے۔

یہی معاملہ بھارت کا ہے کہ پاکستان سے تعلقات کے حوالے سے چونکہ واجپائی بڑے غیر لچک دار اور سخت نظریات کے حامل سمجھے جاتے ہیں لہٰذا راقم کی رائے میں وہ بھارت میں واحد شخصیت ہیں جو بھارت کے مفادات کے تحفظ کے حوالے سے اگر پاکستان کو رعایت دیں گے تو عوام کسی قدر قبول کر لیں گے۔ جب کہ یہ غیر ملکی خاتون سونیا کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا راقم کی رائے میں واجپائی کا نہ صرف حکومت بنانا بلکہ مضبوط حکومت بنانا پاکستان کے نقطہ نظر سے بہتر ثابت ہوگا' البتہ یہ آسان نظر نہیں آتا۔

بقیہ : منبر و محراب

کہ مکہ داخل ہوتے ہی آپؐ پر قاتلانہ حملہ کیا جاتا۔ ابو طالب کہ جن کی امان آپ کو اس سے قبل حاصل تھی وہ اب زندہ نہ تھے لہٰذا آپؐ مکہ کے ایک مشرک سردار مطعم بن عدی کی امان لے کر مکے میں داخل ہوئے۔ بعض سیرت نگاروں نے اس واقعے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ انہیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ حضور ﷺ نے ایک مشرک کی امان لی۔ اسباب و وسائل کی دنیا میں اسباب اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ یہ اقامت دین کی جدوجہد کا لازمی تقاضا ہے' یہاں ہر موقع پر آئیڈلزم سے کام نہیں چل سکتا۔ واقعیت پسندی اور حقیقت پسندی کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے ؎

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج نہ ہو سکے گا حریف سنگ

میری آج کی پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ داعیٔ حق اور اقامت دین کی جدوجہد کے قائدین کے لئے لازم ہے کہ اپنی اصولی دعوت کو جاری رکھتے ہوئے' بدلتے ہوئے حالات کا بنظر غائر جائزہ لیتے ہوئے غور کرتے رہیں کہ کدھر سے کوئی راستہ نکل سکتا ہے۔ کدھر سے کوئی امید کی کرن نظر آتی ہے اور جو موقع بھی سامنے آئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ چاہے بعد میں معلوم ہو کہ ہمارا یہ فیصلہ صحیح ثابت نہیں ہوا' اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ جیسے حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لئے متبادل مرکز کی تلاش میں سفر طائف اختیار کیا۔ اور یہ بعد میں پتہ چلا کہ یہ فیصلہ سودمند ثابت نہیں ہوا۔ اسی طرح سورۂ کہف کی ان آیات میں حضور ﷺ کو فقراء و مساکین کی طرف التفات میں جو عدم توازن ہوا اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس طرز عمل میں میانہ روی کی ضرورت ہے۔ گویا یہ حضور ﷺ کا اجتہاد تھا اور مقصد کے حصول کی لگن تھی آپؐ کا التفات معاشرے کے بااثر لوگوں کی طرف کچھ زیادہ ہو گیا تھا' لہٰذا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے بہت سے مواقع پر اجتہاد فرمایا ہے اور اقامت دین کی جدوجہد میں لامحالہ اس کی ضرورت پڑتی ہے۔OO

کاروانِ خلافت منزل بہ منزل

حلقہ پنجاب شمالی کا خصوصی اجتماع

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر رفقاء تنظیم کو یہ ہدف دیا گیا تھا کہ وہ اپنے حلقۂ احباب میں کم از کم پانچ افراد تک اقامت دین کی فرضیت کا شعور راسخ کرنے کی کوشش کریں تاکہ وہ اپنے ذہنوں سے رائج الوقت اور مسخ شدہ تصورِ دین کو کھرچ کر اپنی توانائیاں اس استحصالی نظام کو بدلنے کے لئے صرف کریں اور تنظیم کے دست و بازو بنیں۔ رفقاء کی سال بھر کی ان کوششوں کا ثمر اکٹھا کرنے کے لئے حلقہ پنجاب شمالی کے ناظم شمس الحق اعوان صاحب نے ۵/ ستمبر ۹۹ء کو حلقہ کے تمام رفقاء کا ایک خصوصی اجتماع ترتیب دیا جس میں ان افراد کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی جن پر ہمارے رفقاء نے سال بھر محنت کی تھی۔

تمام رفقاء احباب کو چھ گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا' ان کا ایک گروپ لیڈر مقرر کیا گیا۔ اور ایک گھنٹے کے دورانیے کو اس طرح تقسیم کیا گیا کہ پہلے پندرہ منٹ ایک مضمون کا مطالعہ کیا جاتا۔ اگلے آدھ گھنٹہ میں ہر گروپ میں سے ایک رفیق پانچ منٹ کے لئے سٹیج پر آ کر اس مضمون پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا۔ پھر پندرہ منٹ میں ناظم حلقہ ان سب کی گفتگو کا نچوڑ بیان کرتے۔ اس اجتماع کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ اس طرح رفقاء کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آ جائیں گی کہ وہ اپنی دعوت کو دوسروں کے سامنے کیسے پیش کرتے ہیں۔ نیز نئے آنے والوں کے ذہنوں میں ان فرائض کی یاد تازہ ہو جائے گی اور رفقاء کی دہرائی کا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔ اس اجتماع میں ڈیڑھ سو (۱۵۰) رفقاء / احباب نے شرکت کی۔ چار گھنٹے پر مشتمل اس اجتماع کی کارروائی میں تین گھنٹے کے دورانیے میں تین مضامین شامل تھے۔

۱) فرائض دینی کا جامع تصور
۲) منہج انقلاب نبویؐ
۳) التزام جماعت اور لزوم بیعت

گفتگو میں جناب جاوید رفیق صاحب' بی ایس بخاری صاحب' بشیر محمد شاد صاحب' امجد سید اعوان صاحب' محمد ظریف صاحب' محمد شمیم اختر صاحب' عظمت ممتاز ثاقب صاحب اور ڈاکٹر خالد نعمت صاحب نے حصہ لیا۔

ناظم حلقہ جناب شمس الحق اعوان صاحب نے اپنی گفتگو کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے حاضرین سے کہا کہ جب دین کا ایک جامع تصور ہمارے سامنے آ گیا کہ دین کے کیا تقاضے ہیں اور ان میں چوٹی کا تقاضا اقامت دین کی جدوجہد ہے تو یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ تقاضا تن تنہا پورا نہیں کیا جا سکتا اور اس کے لئے ایک اجتماعیت کی ضرورت ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سی ایسی جماعت ہے جو اس کام کو اللہ کے احکامات اور رسولؐ کی سنت کے مطابق انجام دے رہی ہے۔ اس حوالے سے جب ہم تمام تنظیموں کا جائزہ لیتے ہیں تو تنظیم اسلامی کی انفرادیت سامنے آتی ہے کہ تنظیم کی اساس منصوص' مسنون' ماثور اور سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق بیعت پر استوار ہے اور تنظیم کا طریقہ کار بھی نبویؐ انقلاب کے منہج سے ماخوذ ہے۔

آخر میں ۵۰ نمبر کا ایک سوالنامہ بھی حاضرین میں تقسیم کیا گیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ اس فرضیت کو کہاں تک سمجھ سکے ہیں۔ رفقاء کی محنت اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اکیس (۲۱) افراد نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی جن میں ۱۳ حضرات تنظیم کے رفیق اور ۸ معاونِ تنظیم کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ تین بجے سہ پہر محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔

(رپورٹ : محمد طفیل گوندل)

تنظیم اسلامی پشاور کی شب بسری

حلقہ سرحد کی ذیلی تنظیم' تنظیم اسلامی پشاور کی ماہانہ شب بسری مقامی دفتر پشاور میں ہوئی۔ ۱۱/ ستمبر ۹۹ء بعد نماز عصر وڈیو "فکر آخرت" مقرر رحمت اللہ بٹر اور "فریضۂ شہادت علی الناس" مقرر انجینئر مختار حسین فاروقی دیکھا گیا۔ یہ وڈیو ۹۳ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر تیار کئے گئے تھے۔ بعد نماز مغرب جمشید عبداللہ نے ایک مذاکرہ conduct کیا جس کا موضوع تھا "ہم دعوت دین یا ذاتی رابطے کا کام کیسے کریں؟" مختلف رفقاء' جن میں امیر حلقہ میجر (ر) فتح محمد اور امیر تنظیم اسلامی پشاور ڈاکٹر صافی صاحب بھی شامل تھے' نے اس حوالے سے گفتگو کی۔ بعد نماز عشاء غلام مقصود صاحب نے "فہم القرآن" کی ایک نشست میں رفقاء سے قرآن کریم کا ایک رکوع ترجمے کے ساتھ سنا اور تصحیح کی۔ بعد ازاں اسی رکوع کی تشریح بھی کی۔ چار رفقاء اجازت لے کر روانہ ہو گئے۔ بقیہ سات رفقاء نے بعد ازاں حالات حاضرہ پر گفتگو کی' بالخصوص سندھ کی صورت حال اور کارگل کا واقعہ زیر بحث آیا۔ غلام مقصود صاحب نے نماز پڑھائی۔ جناب روح الامین صاحب نے صحیح بخاری سے چند احادیث سنائیں۔

(رپورٹ : انجینئر طارق خورشید)

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کی جائزہ ورکشاپ

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کے زیر اہتمام ایک جائزہ ورکشاپ (Evalution Workshop) کا اہتمام کیا گیا۔ اس طرح کی ورکشاپ کا انعقاد راولپنڈی کینٹ کے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔ اس ورکشاپ کا Idea ملتان کینٹ سے آنے والے نئے رفیق ڈاکٹر عمر علی خان صاحب نے دیا تھا۔ ورکشاپ کا مقصد اپنی دعوت کو سائنسی طریقے سے آگے بڑھانا تھا۔ امیر تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ رؤف اکبر صاحب نے اپنے بھرپور تعاون سے ورکشاپ کو کامیاب کرایا۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۹۹ء بروز اتوار اس ورکشاپ کے انعقاد کی تاریخ مقرر ہوئی۔ اس ورکشاپ کو ڈاکٹر عمر علی خان نے Conduct کیا۔ ورکشاپ کا آغاز صبح ٹھیک ۹ بجے ہوا۔ رؤف اکبر صاحب نے سورۂ حج کی آیات کا تلاوت و ترجمہ کیا۔

ورکشاپ کے تین سیشن تھے۔ پہلا Session رفقاء کے مختصر تعارف پر مشتمل تھا جس میں رفقاء سے صرف تین بنیادی سوال پوچھے گئے یعنی نام' کام اور تنظیمی مصروفیات۔ اس سیشن میں رفقائے تنظیم کی تنظیمی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا جس سے اندازہ ہوا کہ ہر رفیق کو اس بات کا احساس ہے کہ وہ صحیح طور پر اپنا وقت تنظیمی کاموں میں نہیں لگا رہا۔ اس سیشن کا اہم نکتہ یہ تھا کہ ہر رفیق ایسا کام کرے جو قابل مشاہدہ ہو اور لوگوں کو نظر آئے۔

اس کے بعد تمام رفقاء کو پندرہ منٹ دیئے گئے کہ وہ اپنے پاس تنظیم اسلامی راولپنڈی کو درپیش مسائل لکھ لیں۔ وقت ختم ہونے پر ہر رفیق سے اس کے خیال کے مطابق سب سے اہم مسئلہ پوچھا گیا۔ اور اس مسئلے کو سامنے بورڈ پر لکھ لیا گیا۔ اس طرح رفقاء کی تعداد کے مطابق مسائل کا ایک چارٹ اور خاکہ تیار ہو گیا۔ ہر رفیق کو پوری آزادی تھی کہ وہ اپنے پیش کردہ مسئلے کو پوری تفصیل کے ساتھ شرکاء کے سامنے بیان کرے۔ مسائل کی فہرست تیار ہو جانے کے بعد ان کا حل سوچنا بھی نہایت ضروری تھا۔ لہٰذا اس مقصد کی خاطر رفقاء کو تین گروپس میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ رفقاء Group Discussion کے ذریعے سے ان مسائل کا حل تجویز کریں۔ ہر گروپ کو چارٹس اور مارکر دیئے گئے تاکہ وہ سیریل نمبر سے اپنے حل لکھ لیں۔ اس Exercise کے نتیجے میں مسائل کے حل کا ایک ایک چارٹ تیار ہو گیا۔ اس میں ایک شرط یہ تھی کہ مسئلے کا حل ایک لائن سے زیادہ نہ لکھا جائے۔ پھر ہر گروپ میں سے ایک رفیق کو Presentation کے لئے بلایا گیا تاکہ وہ اپنے تجویز کردہ حل کو تفصیل سے دوسرے رفقاء کے سامنے پیش کر سکے۔

یہ انتہائی موثر سیشن تھا۔ جس میں ہر مسئلے پر اور اس کے حل پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور رفقاء ایک قابل عمل حل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ چائے کے وقفے کے بعد یہ گروپس پھر اکٹھے ہوئے۔ اس وقت ان کے سامنے سوال تھا کہ "فرض کیجئے کہ آپ کا بھائی یا بیٹا (یا کوئی اور رشتہ دار) تنظیم اسلامی میں شامل ہونے والا ہے' اب آپ اس میں بطور رفیق تنظیم اسلامی کیا خصوصیات دیکھنا پسند کریں گے؟"

اس سوال کا جواب لکھنے کے لئے ہر گروپ کو ۲۰ منٹ کا وقت دیا گیا۔ جب ہر گروپ نے وہ خوبیاں لکھ دیں جو کہ اس کے خیال کے مطابق ایک رفیق تنظیم میں ہونی چاہئیں' تو ہر گروپ میں سے ایک رفیق کو چارٹ اور بورڈ کی مدد سے یہ خوبیاں پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ اس دوران بحث و

مباحثہ بھی جاری رہا اور رفقاء انتہائی احسن طریقے سے نتائج تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد رفقاء سے دوسرا سوال کیا گیا کہ "فرض کیجئے آپ کا بھائی اور بیٹا تنظیم اسلامی میں شامل ہو گیا ہے' اب آپ ان خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کریں گے؟"

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے رفقاء ایک مرتبہ پھر اپنے اپنے گروپس میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ۱۵ منٹ کی گروپ ڈسکشن کے بعد اس سوال کے مختلف جوابات بڑے چارٹ پر لکھ کر حاضرین کے سامنے پیش کئے گئے۔ پھر رفقاء نے دوسرے گروپس کے اشکالات اور سوالات کے جوابات دیئے۔ اس طریقے سے ایک واضح اور صاف تصویر سب کے سامنے آگئی کہ وہ کونسی خصوصیات ہوں گی جو ایک رفیق تنظیم میں ہونی چاہئیں۔

اس کے بعد کھانے اور نمازِ ظہر کا وقفہ کیا گیا اور دعا کے بعد اس ورکشاپ کا اختتام ہوا۔ چونکہ یہ ورکشاپ ایک عملی چیز ہے اس لئے اسے پڑھ کر اس کے صحیح Format کا اندازہ نہیں ہو سکے گا جب تک کہ عملاً یہ ورکشاپ انعقاد پذیر نہ ہو۔

ورکشاپ کی شرط یہ ہے کہ رفقاء کی تعداد ۱۲' سے زائد نہ ہو۔ اس طرح رائے حاصل کرنے میں اور گروپس تشکیل دینے میں آسانی ہوتی ہے۔

(رپورٹ : شادمان مسعود صدیقی)

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کا
ماہانہ دعوتی و تربیتی اجتماع

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کا ماہانہ تربیتی اجتماع تنظیم کے دفتر میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز رفیق تنظیم جناب سلطان صاحب کے درسِ قرآن سے ہوا۔ انہوں نے شہادت حق کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اپنی بندگی کے لئے پیدا فرمایا۔ کیونکہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی بنا دیتے ہیں' لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے انسان کو عقل و شعور بھی عطا کیا تاکہ وہ غلط اور درست راستے کو پہچانے' اور اسے چاہئے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید نہ کرے۔ حضور ﷺ کی ذات مبارک بندگی کا عملی نمونہ تھی۔ آپ نے اپنے آخری خطبہ میں شہادت حق کا فریضہ ادا کر دیا اور ذمہ داری کا بوجھ مسلمانوں کے کندھوں پر ڈال دیا کہ اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اس دین کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ حضور ﷺ نے ۲۳ سالہ جدوجہد کر کے اللہ کا نظام قائم کر کے دکھا دیا۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے اپنی بہترین صلاحیتیں' بہترین مال اور توانائیاں صرف کریں۔

سردار محمد ثاقب صاحب نے Time Management کے حوالے سے بتایا کہ آج ہمیں دنیا میں جو ترقی یافتہ اقوام نظر آتی ہیں ان کی کامیابی کی اصل وجہ وقت کا درست استعمال ہے۔ ہمارے لئے نجات کا راستہ بھی یہی ہے کہ ہم اللہ کی منشا کے مطابق وقت کا صحیح استعمال کریں۔ بعد ازاں اس موضوع پر مذاکرہ بھی کیا گیا۔ میجر سلطان صاحب نے "لحن جلی" نامی کتابچہ کے حوالے سے رفقاء کو ان حرام غلطیوں کے بارے میں بتایا جو کہ تلاوتِ قرآن کے دوران کی جاتی ہیں۔ محمد عرفان طاہر صاحب نے تمام رفقاء سے سورۃ الفاتحہ کی تلاوت سنی اور اصلاح کی۔ اسد قیوم صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۷۷ کے حوالے سے درسِ قرآن دیتے ہوئے کہا کہ لوگوں کے مختلف طبقات میں نیکی کے مختلف تصورات پائے جاتے ہیں اور ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق نیکی کر رہا ہے' مگر از روئے قرآن نیکی نام ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا۔ تزکیہ نفس کے موضوع پر جناب ذوالفقار احمد صاحب نے بات کرتے ہوئے کہا' جملہ شرعی احکامات کی پابندی ہی تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی لازم و ملزوم ہے اور خدمت خلق سے ہی ہم اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ بعد ازاں رفقاء کی تنظیمی ذمہ داریوں کے سلسلے میں بذریعہ چارٹ رفقاء کو بتایا گیا۔ امیر' معتمد' نقیب اسرہ' مبتدی اور ملتزم رفقاء کی ذمہ داریوں کے حوالے سے راقم الحروف سے گفتگو کی۔ آخر میں نقباء اور امیر تنظیم نے حلف نامہ پڑھ کر رفقاء کو سنایا۔ اعجاز احمد' بصیر احمد' سعد قیوم بھی شریک محفل تھے۔

(رپورٹ : ذوالفقار علی)

امیر حلقہ فیصل آباد کی رفقاء و
احباب کے ساتھ مشترکہ میٹنگ

۱۹ ستمبر بوقت ساڑھے چار بجے شام فیصل آباد کے رفقاء کے ساتھ (بمعہ احباب جن پر رفقاء بطور ہدف کام کر رہے ہیں) ایک میٹنگ طے تھی۔ بعد نماز عصر امیر حلقہ محمد رشید عمر صاحب نے میٹنگ کی غرض و غایت اور مختصراً ایجنڈا بیان کیا۔ شیخ محمد سلیم صاحب نے سورۃ الحدید کے پہلے رکوع کی تلاوت اور ترجمہ کیا۔ ان کے بعد پروفیسر خان محمد صاحب نے "فرائض دینی کا جامع تصور" پر بات کی۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے اور ہم پر کون کون سے فرائض عائد ہوتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بحیثیت مسلمان سب سے پہلے تو ہم خود دین پر کاربند ہوں' اللہ کے بندے بنیں اور پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوں۔

دوسرا فریضہ یہ کہ جس دین کو ہم نے پسند کیا ہے اس کی دعوت لوگوں تک پہنچائیں۔ معروف کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں۔ اور تیسرا فریضہ یہ ہے کہ دین کو قائم کریں یعنی اللہ کے احکام کا نفاذ ہو۔ "سورۂ شوریٰ" کی آیت کے مطابق ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ کہ دین کو قائم کرو اور اس بارے میں تفرقہ میں نہ پڑو۔ یہ کام ایک آدمی کے کرنے کا نہیں' اس کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے جو فوجی ڈسپلن والی جماعت ہو۔ "سنیں اور مانیں" ان کا ماٹو ہو۔ دین کی اقامت کے لئے جان' مال اور وقت لگانے میں کسی قسم کے شک و شبہ میں نہ پڑیں۔ اور ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں کہ سنیں گے اور مانیں گے۔ حدیث کے مطابق : "میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں' التزام جماعت کا سننے اور ماننے کا' ہجرت کا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا۔"

پروفیسر خان محمد صاحب نے تنظیم اسلامی کی دعوت کا خلاصہ سامعین کے سامنے پیش کر دیا اور آخر میں امیر حلقہ محمد رشید عمر صاحب نے اس دعوت کو اپنے الفاظ میں مزید واضح کر دیا۔

اس موقع پر احباب میں سے ۷ افراد نے تنظیم اسلامی کے انقلابی پروگرام میں شمولیت اختیار کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مزید محنت کی توفیق دے (آمین)۔ مغرب کی نماز کے بعد حاضرین کی پھلوں سے تواضع کی گئی اور دعا کے بعد یہ مجلس اختتام کو پہنچی۔ فیصل آباد کی دونوں تنظیموں کے امراء' ۲۰ رفقاء اور ۴۰ سے زائد احباب کے ساتھ اس پروگرام میں شریک ہوئے۔ (مرتب کردہ : مختار احمد)

انتقال پُرملال

تنظیم اسلامی لاہور شرقی' اسرہ گارڈن ٹاؤن کے نقیب کرنل ریاض الحق صاحب کے بڑے بھائی پروفیسر مظہر الحق ۴ اور ۵ اکتوبر کی درمیانی رات کو انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رفقاء و احباب سے مرحوم کے لئے دعاءِ مغفرت کی درخواست ہے۔

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کے رفیق جناب ساجد محمود صاحب کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ ایک اور رفیق جناب احسن اختر صاحب کی والدہ کا انتقال ہوا ہے۔ قارئین ندائے خلافت سے ان دونوں رفقاء کے لئے صبر اور مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

ضرورت رشتہ

لاہور میں مقیم ۲۸ سالہ خلع یافتہ' دراز قد' لیڈی لیکچرار کے لئے تعلیم یافتہ' سرکاری ملازم یا کاروباری شخص کا موزوں رشتہ درکار ہے۔

☆ ☆ ☆

۲۱ سالہ ارائیں' ایم اے کی طالبہ کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ سرکاری ملازم یا کاروباری رشتہ درکار ہے۔

رابطہ : بیگم محمود عالم میاں' 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور
سی پی ایل نمبر: 127
جلد 8، شمارہ 39
سالانہ زر تعاون ۔/175 روپے

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس۔ ریلوے روڈ، لاہور
مقام اشاعت: 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 5869501-03

معاونین برائے تحریر:
○ فرقان دانش خان ○ مرزا ایوب بیگ
○ نعیم اختر عدنان ○ سردار اعوان
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا ”جہاد فی سبیل اللہ“ کے موضوع پر خطاب

۲۵/ ستمبر ۹۹ء بروز ہفتہ بعد نماز مغرب قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ”جہاد فی سبیل اللہ“ کے موضوع پر امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب ہوا۔ جس میں رفقاء و احباب کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ آڈیٹوریم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض مرزا ایوب بیگ نے ادا کیے۔ موضوع کی مناسبت سے قاری مقبول احمد نے سورۂ حج کے آخری رکوع کی آیات تلاوت کیں۔

حمد و ثنا، آیات و احادیث کی تلاوت اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے ارشاد فرمایا کہ موضوع پر گفتگو سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ یہ واضح کر دوں کہ آج جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں مسلمانوں کو کیا مغالطے ہیں۔ سب سے بڑا مغالطہ یہ ہے کہ جہاد کو قتال کے مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن میں جہاد اور قتال دو مستقل اصطلاحات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔ اگرچہ قرآن میں ایک دو مقامات پر یہ دونوں الفاظ مترادف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود دونوں میں عام اور خاص کا فرق ہے۔ جیسے مومن اور مسلم بظاہر مترادف ہیں۔ لیکن مسلم عام ہے، مومن خاص ہے۔ یعنی ہر مومن، مسلم ہے البتہ ضروری نہیں کہ ہر مسلم، مومن بھی ہو۔ بعینہ نبی اور رسول میں نبی عام ہے، رسول خاص ہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے۔ لیکن ہر نبی، رسول نہیں ہوتا۔ اسی طرح جہاد اور قتال میں ہر قتال فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ تو ہے لیکن ہر جہاد فی سبیل اللہ، قتال نہیں ہے۔ جہاد اور قتال کو ایک دوسرے کا مترادف قرار دیے جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے قتال ہر وقت فرض نہیں اور فرض کفایہ ہے جو صرف استثنائی حالات میں فرض عین ہوتا ہے لہٰذا جہاد کو بھی فرض کفایہ سمجھ لیا گیا اور یوں جہاد کا حقیقی تصور مسلمانوں کے دینی تصورات سے نکل گیا۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان جب بھی جنگ کرے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ لہٰذا اسی صدی کے وسط میں الجزائر میں آزادی کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ اس جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے دیا گیا۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا کہ جب الجزائر آزاد ہوا تو ایک سیکولر ریاست وجود میں آ گئی۔ کیونکہ وہ جہاد فی سبیل اللہ تھا ہی نہیں وہ تو جہاد حریت تھا۔ یہی ہمارے پڑوس افغانستان میں ہوا۔ روس کے خلاف ان کی دفاعی جنگ کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا گیا۔ جب وہ جہاد کامیاب ہوا تو پھر وہی جنگ فساد فی سبیل اللہ بن گئی۔ وہ تو بعد میں طالبان نے اس فساد کو ختم کیا۔ اب سمجھئے کہ جہاد فی سبیل اللہ کیا ہے؟ جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا جزو لازم ہے اور ایمان حقیقی کے دو لازمی ارکان ہیں۔ (۱) یقین قلبی (۲) جہاد فی سبیل اللہ۔

یہ بات سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۴ اور ۱۵ سے واضح ہوگی۔ جہاں فرمان خداوندی ہے کہ ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ ”یہ بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبی) کہہ دیجئے تم (ابھی) مومن نہیں ہوئے البتہ یوں کہو ہم تابعدار (مسلمان) بن گئے ہیں“ یہاں یہ معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے۔ آیت نمبر ۱۵ میں ایمان حقیقی کی تعریف کرتے ہوئے ایمان کے ارکان کا ذکر ہوا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ ”مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (یقین قلبی کے ساتھ) ایمان لائے، پھر شک میں نہیں پڑے اور انہوں نے اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں کوشش کی۔ یہی لوگ (اپنے دعوئ ایمان میں) سچے ہیں“۔

وضاحت: اسلام کے پانچ ارکان ہیں جن میں نہ کمی کی جا سکتی ہے نہ زیادتی۔ وہ یہ ہیں: (۱) کلمہ شہادت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) حج (۵) زکوٰۃ۔ البتہ ایمان میں یہ پانچ چیزیں بھی چلیں گی لیکن دو چیزوں کا اضافہ ہوگا (۱) کلمہ شہادت پر یقین قلبی (۲) جہاد فی سبیل اللہ۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایمان حقیقی کے سات ارکان ہیں۔

لغوی بحث: جہاد کا مادہ ”جہد“ ہے۔ کسی مقصد کے لئے کوشش کرنا۔ جبکہ جہاد کا مطلب ہے کوشش کا کوشش سے تصادم۔ اسی طرح قتل یک طرفہ عمل ہے۔ مقاتلہ سے مراد ہے کہ دو فریق ایک دوسرے کو قتل کے درپے ہوں۔ لہٰذا قتال سے مراد ہوا ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے جنگ کرنا۔

جہاد کی منزلیں: جہاد کی تین منزلیں ہیں۔

۱) پہلی منزل جہاد فی سبیل الحیات یعنی زندہ رہنے کے لئے جہاد ہے۔ یہی جہاد بندۂ مومن کرتا ہے تو اس کے لئے عبادت ہے بشرطیکہ شریعت کی حدود و قیود کی پابندی کرے۔

۲) دوسرا جہاد فی سبیل الحقوق۔ جس کی سب سے بڑی شکل جہاد حریت ہے۔ اگر ایک مسلمان شریعت کی حدود کی پابندی کرتے ہوئے یہ جہاد کرتا ہے تو جائز ہے اور مارا گیا تو شہید ہے تاہم اس شہادت کے درجات وہ نہیں ہوں گے، جو جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ کے شہید کے ہوں گے۔

۳) کسی نظریے اور نظام کی بنیاد پر جہاد، یہ جہاد کی بلند ترین سطح ہے۔ جیسے جہاد فی سبیل الاشتراکیہ، جہاد فی سبیل الجمہوریہ اور جہاد فی سبیل الشرک وغیرہ۔ جہاد فی سبیل اللہ بھی اسی کیٹگری میں آئے گا۔

جہاد فی سبیل اللہ کی منزلیں: جہاد فی سبیل اللہ کی بھی تین منزلیں ہیں:

۱) نفس کے خلاف جہاد یعنی اپنے آپ کو احکام شریعت کا پابند بنانا۔ یہ اولین اور اہم ترین منزل ہے اسی میں شیطان اور اس کے غیر مرئی لشکر اور بگڑے ہوئے معاشرے کے خلاف جہاد بھی آئے گا۔

۲) باطل نظریات کے خلاف جہاد یعنی دعوت بالحکمہ (دلیل کے ساتھ، برہان کے ساتھ) معاشرے کی اعلیٰ علمی سطح کو قائل کرنا۔ جبکہ عوام الناس (جن کے ذہن خالی سلیٹ کی مانند ہیں) ان کے لئے وعظ و نصیحت کا طریقہ ہے۔ تیسرا طبقہ وہ ہے، جو لوگ ڈھٹائی پر اتر آئے ہیں۔ ان سے جدال کرنا پڑے گا تاکہ انہیں چپ کرایا جائے، ورنہ یہ لوگ معاشرے پر اثر انداز ہوں گے۔ ان دونوں منزلوں کو سر کرنے کی تلوار اور ہتھیار قرآن ہے۔ نیز ان دونوں منزلوں پر کسی جماعت کی ضرورت نہیں ہے۔

۳) جہاد فی سبیل اللہ کی تیسری منزل نظام کو بدلنے کی جدوجہد ہے یعنی اقامت دین کی کوشش، اس منزل کے لئے لازم ہے کہ ایک ایسی جماعت وجود میں آئے جو اقامت دین کی دعوت پر قائم ہو۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی دو منزلوں سے گزر چکی ہو۔ اگر پہلی اور دوسری منزل پر جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد اور ہدف اقامت دین نہیں تو یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہوگا۔

آج پوری دنیا میں کافرانہ نظام رائج ہے۔ خواہ کسی خطے میں سو فی صد مسلمان ہیں لیکن نظام باطل ہے۔ اگر ایسی صورت میں اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کو مقصد نہیں بنایا تو یہ نفاق کی زندگی ہے۔ ایسے نظام میں پھلنا پھولنا جائز نہیں۔ کم سے کم درجہ میں اس نظام سے دلی نفرت اور اس کے خاتمہ کی جدوجہد ایک مسلمان کیلئے فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ خطاب سوا دو گھنٹے کے دورانیے پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ دعا کے بعد آڈیٹوریم میں نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی اور یوں یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(رپورٹ: فرقان دانش خان)